46

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

24 دسمبر 2003ء — 29 شوال 1424ھ

www.tanzeem.org

مغل دربار کے اندرونی حالات

تجاوز، خرابی کی اصل جڑ ہے

نابیناؤں کی عید!

نصرت و مصیبت میں انسان کا طرزِ عمل

سراجاً منیرا

سرورِ عالم ﷺ کو بطور استعارہ سراجاً منیرا (سورۃ الاحزاب: 46) قرار دیا گیا ہے۔ اس تمثیل سے خود یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ محض ایک چراغ داں اور شمع بردار نہیں تھے، بلکہ بجائے خود ایک روشن قندیل تھے۔ یہ قندیلِ نبوت جس کا فتیلہ، ایمان وحی کے روغن سے چرب ہو کر عشق الٰہی کے شعلہ سے روشن تھا، بجائے خود ہدایت کے نور کا ایک سرچشمہ تھی اور آنکھیں اس سے اکتسابِ ضیاء کئے بغیر اللہ تعالیٰ کے دین کے راستے کو نہیں پا سکتیں۔ یہ بات ٹھیک اس مقام پر کہی گئی ہے جہاں اوپر عرب کی ایک دیرینہ روایت ......یعنی متبنیٰ کو ہر لحاظ سے حقیقی بیٹوں کا مرتبہ دینے...... کی پابندیوں سے بالاتر ہو کر ہدایت الٰہی کے مطابق چلنے کی تلقین آنحضور ﷺ کو فرمائی گئی ہے اور اسی سلسلے میں آنحضور ﷺ کے منصب ختم نبوت کا ذکر یہ اشارہ دینے کے لئے کیا گیا ہے کہ اگر آپؐ بھی اس روایت کو توڑ کر نہ رخصت ہوئے تو پھر کوئی اور نبی تو آنے والا ہے نہیں کہ وہ معاشرے کو اس بندھن سے نجات دلائے گا۔ یہ کام آپؐ ہی کے ہاتھوں ہو جانا ضروری ہے۔ اسی سے یہ بات نکلتی ہے کہ آپؐ انسانیت کے لئے، خصوصاً مسلم معاشرے کے لئے ایک شمع راہ ہیں۔ آپؐ کی عملی زندگی کی روشنی میں جو راہیں دنیا پر کھل جائیں گی، آئندہ قافلے کے قافلے ان پر گامزن ہونے والے ہیں اور جو راہیں مسدود قرار پائیں گی، ان کی طرف رُخ کرنے کی کسی کو جسارت نہ ہوگی۔

اس شمع روشن کا تذکرہ اس تمہیدی بات سے شروع ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم (ایمان والوں) کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لانا چاہتا ہے (لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ) اور پھر اگلی آیت اس مقصد کے حصول کے ذریعے کو سامنے لے آتی ہے کہ ہم نے تمہارے سامنے زندگی کے ہر معاملے میں ہدایت کی راہیں کھول دینے کے لئے یہ شمع روشن رکھ دی ہے، یہ ایک طرف تم کو بشیر بن کر راہِ راست بتائے گی اور دوسری طرف نذیر بن کر تمہیں ضلالت کے راستوں سے خبردار کرے گی۔

رسول اللہ ﷺ کو محض فانوس نہیں قرار دیا گیا جس میں بجائے خود کوئی نور نہ ہو بلکہ وہ اپنے اندر کی مشعل کی شعاعوں کو ارد گرد بکھیر دے، نہ محض ایک طاق قرار دیا گیا ہے کہ جس کا کام اپنے اندر کے دیئے کی روشنی کو منعکس کر دینے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اسے بجائے خود ایک منور چراغ اور مشعل راہ بنا کے سامنے لایا گیا ہے۔ بات اگر صرف استعارے میں لپیٹ کر چھوڑ دی گئی ہوتی اور تمثیل کی حد سے کلام آگے نہ بڑھا ہوتا تو فی الواقع مفسدین کے لئے موقع تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی حیثیت کو امت کے لئے مشتبہ بنانے میں بہت کچھ رخنہ اندازیاں کر سکیں۔ لیکن قرآن نے اپنی تمثیل کے مفہوم اور اپنے استعارے کے مدعا کو خود ہی جابجا کھول کے رکھ دیا ہے، اور اس درجہ وضاحت و صراحت اختیار کی ہے کہ فتنہ گروں کے لئے میدانِ تگ و تاز باقی چھوڑا ہی نہیں۔ لیجئے رسول اللہ ﷺ کے مشعل راہ ہونے کے استعارے کی حقیقت جاننے کے لئے ذیل کی مشہور آیت ملاحظہ فرمایئے:

''تمہارے لئے اللہ کے رسول ﷺ (کی زندگی) میں بھلا نمونہ رکھ دیا گیا ہے''۔ (الاحزاب: 21)

اور بات اتنی ہی نہیں فرمائی، یہ بھی ساتھ کہہ دیا کہ اس نمونہ کا دامن تھامنا ہر اس شخص کے لئے لازم ہے جو اللہ کے سامنے پیش ہونے اور یوم آخرت کی جوابدہی سے دوچار ہونے کا متوقع ہے (لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ......) یعنی سارا مدارِ نجات ہی اس بات پر ٹھہرا کہ آدمی نے خدا کے ماننے، اس کے دین پر کاربند ہونے اور اس کی کتاب کے قانون کی اطاعت کرنے میں رسول اللہ ﷺ کے پیش کردہ اسلوب اور نمونے سے کہاں تک استفادہ کیا۔

ماخذ: رسولؐ اور سنتِ رسولؐ

تحریر: مولانا نعیم صدیقی

سورۃ البقرۃ (آیات 271-272)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرَّحیم

﴿اِنۡ تُبۡدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ ۚ وَاِنۡ تُخۡفُوۡهَا وَتُؤۡتُوۡهَا الۡفُقَرَآءَ فَهُوَ خَیۡرٌ لَّكُمۡ ؕ وَیُكَفِّرُ عَنۡكُمۡ مِّنۡ سَیِّاٰتِكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ ۝ لَیۡسَ عَلَیۡكَ هُدٰىهُمۡ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَیۡرٍ فَلِاَنۡفُسِكُمۡ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡنَ اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَیۡرٍ یُّوَفَّ اِلَیۡكُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تُظۡلَمُوۡنَ ۝﴾

’’اگر تم خیرات ظاہر دو تو وہ بھی خوب ہے اور اگر پوشیدہ دو اور دو بھی اہل حاجت کو تو وہ خوب تر ہے اور (اس طرح کا دینا) تمہارے گناہوں کو بھی دور کر دے گا۔ اور اللہ کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے۔ (اے محمد ﷺ) تم ان لوگوں کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں ہو بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے اور (مومنو) تم جو مال خرچ کرو گے تو اس کا فائدہ تم ہی کو ہے۔ اور تم جو خرچ کرو گے اللہ کی خوشنودی کے لئے کرو گے۔ اور جو مال تم خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا پورا دے دیا جائے گا اور تمہارا کچھ نقصان نہیں کیا جائے گا۔‘‘

اگر تم صدقات اعلانیہ دو تو بھی ٹھیک ہے۔ خاص طور پر زکوٰۃ کا معاملہ تو اعلانیہ ہی ہے۔ اعلانیہ دینے میں صورتِ حال کیسی ہی ہو یہ تو فائدہ ہوا کہ فقراء کا حق ادا ہوا اور کسی ضرورت مند کی ضرورت پوری ہوئی۔ لیکن اگر تم انہیں چھپاؤ اور چپکے چپکے ناداروں اور مفلسوں کو دے دو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ یہاں ایک اصولی بات سمجھ لینا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ فرائض کی ادائیگی میں اخفاء نہیں ہے۔ مثلاً فرض نماز ہے وہ تو اعلانیہ مسجد میں جا کر ادا کرنی ہے۔ یہ وسوسہ شیطان بہت سوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے کہ پانچ وقت مسجد میں جا کر نماز پڑھیں گے تو یہ دکھلاوا ہو گیا‘ لوگوں پر اپنے پرہیز گار ہونے کا رعب جمانا ہوا‘ پس نماز گھر میں ہی پڑھ لیں۔ اسی طرح یہ کہ داڑھی رکھ لیں گے تو دکھلاوے کا تقویٰ ہو گا۔ نہیں‘ جو واجب چیزیں ہیں اُن کا تو ادا کرنا لازم ہے اور یہ ادائیگی اعلانیہ ہو گی‘ البتہ نفلی صدقات اور نفلی نماز چھپا کر ادا کی جائیں‘ کیونکہ ان کی اعلانیہ ادائیگی بڑے بڑے فتنوں کا باعث ہو سکتی ہے۔ اسی لئے فرض نماز کا مسجد میں آ کر ادا کرنے کا حکم ہے اور نفل نماز گھر پر پڑھنے کا ثواب زیادہ ہے۔

اعلانیہ دینے کے بارے میں کہا کہ فَنِعِمَّا هِیَ یعنی ٹھیک ہے۔ اس لئے کہ فقراء کا حق تو بہر حال ادا ہو گیا۔ کنجوس اور بخیل کے مال سے کچھ تو نکلا‘ لیکن خفیہ ادائیگی کے لئے خَیۡرٌ لَّكُمۡ کے الفاظ آئے یعنی یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو کر ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرنے پر خرچ کرنا ایسا مقبول عمل ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تمہاری برائیوں کو دور کر دے گا۔ اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے خوب باخبر ہے۔

اے نبیؐ! آپ کے ذمہ نہیں ہے کہ آپؐ انہیں ہدایت دے دیں۔ عَلٰی ذمہ داری کے لئے آتا ہے اور لام حمایت اور حق کے لئے آتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے اَلۡقُرۡاٰنُ حُجَّةٌ لَّكَ اَوۡ عَلَیۡكَ یعنی قرآن یا تو تمہارے حق میں حجت ہو گا یا پھر تمہارے خلاف مدعی بن کر کھڑا ہو جائے گا۔ اگر تم نے قرآن پڑھا‘ سیکھا‘ سمجھا‘ اس پر عمل کیا اور اس کی تبلیغ کی تو یہ تمہارے حق میں دلیل بنے گا‘ شفاعت کرے گا اور اگر طوطے مینا کی طرح آیات کو رٹ لیا نہ سمجھنے کی کوشش کی اور نہ ہی اس پر عمل کیا تو نتیجہ برعکس نکلے گا۔ تعجب ہے کہ دو چار روپے کا اخبار لیا تو اسے پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کی مگر قرآن کو پڑھا لیکن سمجھنے کی ضرورت محسوس نہ کی‘ پڑھا تو اس پر عمل نہ کیا تو یہ بڑی بدبختی ہے۔ ایسی صورت حال میں قرآن انسان کے خلاف دلیل بنے گا۔ حدیث کے الفاظ ہیں کہ مَآ اٰمَنَ بِالۡقُرۡاٰنِ مَنِ اسۡتَحَلَّ مَحَارِمَهٗ‘ یعنی وہ شخص قرآن پر ایمان نہیں لایا جس نے اس کے حرام کو حلال اختیار کر لیا۔ پس اصلاً تو قرآن سمجھنے اور عمل کرنے کی چیز ہے۔ آگے ارشاد ہوا کہ اے نبیؐ! آپؐ پر کسی کے ہدایت پر لے آنے کی ذمہ داری نہیں‘ ہدایت تو بس اللہ ہی دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔

اور تم جو بھی مال میں سے خرچ کرو گے یا بھلائی کرو گے تو وہ تمہارے اپنے فائدے کے لئے ہے۔ اب تم اللہ کی رضا کے لئے ہی خرچ کرو گے تو ایسا خرچ کرنے کا بدلہ تم کو بھرپور دیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کسی بھی طرح کی حق تلفی نہیں کی جائے گی۔

فرمانِ نبویؐ

زمانہ کو برا مت کہو

چوہدری رحمت اللہ بٹر

عَنۡ اَبِیۡ هُرَیۡرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ: ((قَالَ اللّٰهُ یُؤۡذِیۡنِیۡ ابۡنُ اٰدَمَ یَسُبُّ الدَّهۡرَ وَاَنَا الدَّهۡرُ بِیَدِیَ الۡاَمۡرُ اُقَلِّبُ الَّیۡلَ وَالنَّهَارَ)) (متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ابن آدم (انسان) مجھے تکلیف دیتا ہے (اس طرح کہ) کہ وہ زمانہ کو برا کہتا ہے حالانکہ زمانہ (کچھ نہیں‘ وہ) تو میں ہی ہوں‘ سب تصرفات میرے قبضہ میں ہیں اور شب و روز کی گردش میرے ہی حکم سے ہوتی ہے۔‘‘ (بخاری و مسلم)

جاہلوں کی عادت ہے کہ وہ انسان کی اپنی پیدا کی ہوئی پریشانیوں اور مصیبتوں کو برائی کی صورت میں زمانہ اور وقت کے سر تھوپ دیتے ہیں اور اپنی زبان سے اس طرح کے الفاظ نکالتے ہیں ’’زمانہ خراب ہے‘ بہت برا وقت ہے۔‘‘ اس طرح وقت اور زمانہ کو برا کہنا نہایت غلط ہے کیونکہ زمانہ اور وقت تو کچھ بھی نہیں ہے‘ اصل متصرف حق تعالیٰ کی ذات ہے جس کے قبضہ میں لیل و نہار کی گردش ہے اور اسی گردش لیل و نہار کا نام زمانہ اور وقت ہے‘ اگر زمانہ اور وقت کو متصرف سمجھ کر برا کہا جاتا ہے تو متصرف چونکہ حق تعالیٰ ہے اس لئے وہ برائی حق تعالیٰ کی طرف جاتی ہے جو کسی طرح بھی صحیح نہیں۔

دارالمطالعہ قرآن اکیڈمی
نمبر 18-12-03
36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پاکستانی خیر سگالی کا بھارتی جواب

پچھلے شمارے کے اداریئے ''اندھے فیصلے' اندھی گلی'' میں ہم نے صاف صاف تنبیہ کی تھی کہ ''ہم اپنے صدر' وزیراعظم اور وزیرخارجہ کو متنبہ کیئے دیتے ہیں کہ پاکستانی عوام کو اب مزید اندھیرے میں نہیں رکھا جا سکتا۔ اُن کے عقب میں جو خفیہ کارروائیاں ہوتی رہی ہیں' وہ اب طشت ازبام ہو چکی ہیں۔ اس شمارے کی اشاعت سے اگلے روز اخبارات میں بھارتی فوج کے ہیڈ کوارٹر کے حوالے سے یہ خبر شائع ہوئی کہ کشمیر میں کنٹرول لائن کے **776** کلومیٹر علاقے میں سے **496** کلومیٹر علاقے میں بھارتی فوج نے باڑ نصب کر دی ہے۔ اس خبر کی سیاہی بھی خشک نہ ہونے پائی تھی کہ بھارتی وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی نے یہ تجویز دی ہے کہ جنوبی ایشیا کے دونوں ملکوں کے درمیان سنگل کرنسی' مشترکہ دفاع اور کھلی سرحدیں ہونی چاہئیں۔ یہ تجویز انہوں نے روزنامہ ہندوستان ٹائمز کی طرف سے منعقدہ دوروزہ سیمینار کی افتتاحی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے پیش کی۔

بھارت کی طرف سے یہ دونوں جواب اُس کی آئندہ حکمتِ عملی کے واضح اشارے ہیں' جس کی تائید میں امریکا کے صدر بش کی انتظامیہ کے سابق کلیدی عہدہ دار رچرڈ ہاس نے اسی سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ پاکستان پورے جنوبی ایشیا اور دنیا بھر کے لئے خطرہ ہے۔ پاکستان امریکا کے لئے سب سے بڑا ''فارن پالیسی پرابلم'' ہے اور پاکستان کو ایک جدید اور جمہوری ملک بنانا ایک چیلنج ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم بھارت کو مستقبل میں آپس میں شراکت دار اور باہم جڑا ہوا دیکھ رہے ہیں۔

حکومتِ پاکستان نے ان تجاویز اور اقدامات کا بڑے نرم و ملائم' دوستانہ اور مدافعانہ انداز میں جواب دیا ہے۔ پاکستانی وزارتِ خارجہ کے ترجمان نے بھارت سے کہا ہے کہ وہ کنٹرول لائن اور ورکنگ باؤنڈری پر باڑ لگانے کا کام فوری طور پر روک دے' کیونکہ یہ اقوام متحدہ کی قرارداد اور پاکستان و بھارت کے مابین طے پانے والے سمجھوتوں کی خلاف ورزی ہے۔ ترجمان کے مطابق پاکستان اور بھارت کے درمیان **1949**ء کے کراچی معاہدے میں کنٹرول لائن پر باڑ کے حوالے سے معاہدہ موجود ہے۔ دسمبر **1972**ء کے معاہدے میں بھی باڑ لگانے کے نشیب و فراز کے بارے میں صاف صاف وضاحت کر دی گئی تھی۔ ان معاہدوں میں کنٹرول لائن پر باڑ لگانا اور بارودی سرنگیں بچھانا بھی شامل تھا۔ مقبوضہ کشمیر سے ملنے والی اطلاعات کے مطابق پاکستان کے احتجاج کے باوجود قابض بھارتی فوج نے مورچے پختہ کرنے اور باڑ لگانے کا کام تیزی سے جاری رکھا ہوا ہے اور بھارت کو پاکستان کی جانب سے ظاہر کردہ خدشے پر سرے سے کوئی توجہ ہی نہیں دی۔

بھارتی وزیراعظم کی تجویز پر ردعمل کرتے ہوئے پاکستانی وزارتِ خارجہ کے ترجمان نے اصل مسئلے سے گریز کرتے ہوئے کہا کہ جنوری میں اسلام آباد میں سارک سربراہ کانفرنس منعقد ہو رہی ہے جس میں علاقائی تعاون' اقتصادی صورتِ حال کی بہتری اور رکن ممالک میں باہمی اشتراک پر بات ہوگی۔ ایک کرنسی کے خواب کا راستہ طویل ہے' جس کے لئے خلوصِ نیت' عزم اور حوصلے کے ساتھ آگے بڑھنے کی ضرورت ہے' جس کے لئے پاکستان اور بھارت کو مسئلہ کشمیر سمیت تمام تنازعات پائیدار طریقے سے حل کرنا ہوں گے۔ حکومتِ پاکستان سے کہیں زیادہ حق گوئی کا ثبوت ہمارے سیاست دانوں نے دیا۔ راجہ محمد ظفر الحق نے کہا ان تجاویز کے ذریعہ پاکستان کا وجود ختم کرنا چاہتا ہے۔ سابق وزیر خارجہ آغا شاہی نے بھی یہی کہا کہ پاکستان کی آزادی اور خودمختاری کو ہڑپ کرنا بھارتی قیادت کا دیرینہ خواب ہے۔ ہماری حکومت کو واجپائی سے پوچھنا چاہئے کہ بھارت پاکستان کے ساتھ مل کر کس کے خلاف مشترکہ دفاع کرنا چاہتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ بھارت امریکا کا سٹریٹجک پارٹنر ہے۔ مشترکہ دفاع کی تجویز بھی امریکا نے دی ہے کہ بھارت اور پاکستان مل کر چین کا گھیراؤ کریں۔ فلسطین اور کشمیر میں باڑ لگانے کی تجویز بھی امریکا نے دی ہے۔ اس کے ثبوت و شواہد بھی عنقریب نمایاں ہو جائیں گے۔ ہم بار بار قوم اور حکومت کو یاد دلا رہے ہیں کہ امریکا کی پالیسی یہ ہے کہ ''سب سے پہلے پاکستان'' جس کا دوسرا مطلب: ''اب پاکستان کی باری ہے''۔ امریکا پاکستان کی گردن سامنے سے نہیں' ہاتھ بھارت کے پیچھے سے لا کر مروڑنا چاہتا ہے۔ اس کا مقابلہ خالی خولی' نرم و شستہ' اخباری بیانات سے نہیں' نہایت وسیع جمہوری مشاورت سے انتہائی مضبوط اور دُور اندیشانہ منصوبہ سازی سے ہونا چاہئے۔ (ادارۂ تحریر)

تاخلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قیامِ خلافت کا نقیب

ندائے خلافت

شمارہ	18 دسمبر تا 24 دسمبر 2003ء	جلد
46	۲۳ شوال تا ۲۹ شوال ۱۴۲۴ھ	12

بانی: اقتدار احمد مرحوم

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید

مدیر انتظامی: سید قاسم محمود

مجلس ادارت: ڈاکٹر عبدالخالق۔ مرزا ایوب بیگ
سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

اس شمارے میں

3۔ پاکستانی خیر سگالی کا بھارتی جواب
4۔ موت العالِم موت العالَم
5۔ نعمت و معصیت میں انسان کا متضاد طرزِ عمل
7۔ تجاوز: خرابی کی اصل جڑ
10۔ مغل دربار کے اندرونی حالات
12۔ مروجہ بنکاری اور قرونِ وسطیٰ میں کامیاب مالیاتی نظام
14۔ معاشرتی زندگی کا پہلا گوشہ
17۔ تنظیمی سرگرمیاں اور اطلاعات

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67۔ گڑھی شاہو علامہ اقبال روڈ لاہور۔ (54000)
فون: 6316638-6366638 فیکس: 6305110
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقامِ اشاعت: 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور

سالانہ زرِ تعاون: 250 روپے' فی شمارہ: 5 روپے
برائے یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (1500 روپے)
برائے امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (2200 روپے)

(''ادارہ'' کا مضمون نگاروں کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں)

ناشر: [illegible] ○ مطبع: مکتبہ جدید پریس لاہور

موت العَالِم ' موت العَالَم

متحدہ مجلسِ عمل' جمعیت علمائے پاکستان اور ورلڈ اسلامک مشن کے سربراہ' ممتاز روحانی و دینی رہنما' عالمی مبلغ اسلام مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی جمعرات 11 دسمبر کو اسلام آباد میں دل کا دورہ پڑنے سے انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کا جسدِ خاکی اسلام آباد سے طیارے کے ذریعے کراچی پہنچایا گیا جہاں جمعہ کو لاکھوں سوگوار افراد کے اجتماع میں تدفین ہوئی۔

مولانا شاہ احمد نورانی 17 رمضان المبارک 1346ھ بمطابق اپریل 1926ء کو میرٹھ میں پیدا ہوئے اور صرف آٹھ سال کی عمر میں قرآن پاک بمع تجوید حفظ کیا۔ بعدازاں انٹرنیشنل عربک کالج میرٹھ اور الٰہ آباد یونیورسٹی سے اعلیٰ تعلیم کی تکمیل کی۔ آپ نے دینی علوم کی تکمیل مدرسہ اسلامیہ قومیہ میرٹھ سے کی۔ آپ عربی' فارسی' اردو' انگریزی' افریقی اور فرانسیسی نہایت روانی سے بولتے تھے۔ سترہ زبانوں پر مکمل عبور حاصل تھا۔ آپ نے روس' چین' امریکا' افریقہ' کینیڈا' برطانیہ' فرانس' جرمنی' کینیا' تنزانیہ' یوگنڈا' مالاگاسی' ماریشس' نائجیریا' صومالیہ اور دیگر ممالک میں سینکڑوں تبلیغی دورے کئے اور ہزاروں غیر مسلم آپ کے ہاتھ پر اسلام لائے۔

ان کے والد گرامی محترم علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی بھی بہت بڑے عالم اور مبلغِ اسلام تھے۔ وہ نہایت ذہین و فطین تھے اور حافظہ غضب کا تھا۔ ان کے والد مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی نے ان کو تین سال کی عمر ہی میں حصولِ تعلیم کے لئے مسجد میں بٹھا دیا تھا۔ انہوں نے درس نظامی کی تکمیل کے بعد انگریزی زبان کی بھی تعلیم حاصل کی۔ انہوں نے تبلیغ کی خاطر دنیا کے کئی ممالک کا سفر بھی اختیار کیا۔ اس سلسلے میں شمالی افریقہ قابل ذکر ہے۔ 1948ء تا 1951ء کے یورپ کے تبلیغی دوروں نے ان کو بین الاقوامی شہرت دی۔ 45 ہزار سے زیادہ غیر مسلموں کو حلقہ بگوش اسلام کیا اور مشہور عیسائی مفکر ڈاکٹر برنارڈ سے مناظرہ کیا اور شکست دی۔ قائداعظم نے آپ کو ''سفیر پاکستان'' کا لقب دیا۔ مولانا شاہ احمد نورانی کے تایا مولانا نذیر احمد صدیقی بھی عالم دین تھے اور بمبئی کی جامع مسجد کے خطیب تھے۔ قائداعظم کے ان سے ذاتی تعلقات تھے اور ان سے مذہبی معاملات میں رہنمائی حاصل کرتے تھے اور انہی کے پیچھے عیدین کی نماز ادا کرتے تھے اور رتن بائی کو بھی قائداعظم نے انہی کے ہاتھ پر اسلام قبول کروایا۔ قیام پاکستان کے بعد قائداعظم نے پہلی نماز عید مولانا عبدالعلیم صدیقی کی امامت میں ادا کی۔

مولانا شاہ احمد نورانی نے تحریکِ پاکستان میں بھرپور حصہ لیا اور 1946ء میں نیشنل گارڈز تنظیم کی بنیاد ڈالی۔ قیام پاکستان کے بعد آئین سازی کی جدوجہد میں کوششیں کرتے رہے۔ 1953ء کی تحریک ختم نبوت اور 1956ء میں آئین کی تدوین کے سلسلے میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ 1954ء میں اپنے والد کی وفات کے بعد تبلیغ کے فرائض سنبھال لئے۔ 1962ء میں آپ کی شادی مدینہ منورہ میں علامہ فضل الرحمٰن مدنی کی صاحبزادی سے ہوئی۔ 1948ء میں جمعیت علمائے پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔ 1968ء میں اسلامک ریویو لندن کے قادیانی ایڈیٹر سے ٹرینیڈاد میں ساڑھے پانچ گھنٹے کا طویل مناظرہ کیا اور کامیاب ہوئے۔ 1970ء میں قومی اسمبلی کا الیکشن لڑا اور کراچی سے منتخب ہوئے۔ 1973ء میں تحریک نظامِ مصطفیٰ اور متحدہ جمہوری محاذ کی سیاسی تحریک میں فعال کردار ادا کیا۔ 1974ء میں ''ورلڈ اسلامک مشن'' کے چیئرمین منتخب ہوئے۔ 1977ء میں تحریک نظام مصطفیٰ میں صف اوّل کے رہنما کی حیثیت سے گرفتار ہوئے۔ مولانا صاحب پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ 15 اپریل 1972ء کو قومی اسمبلی سے پہلی مرتبہ خطاب کیا اور پہلے اجلاس ہی میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کا مطالبہ کیا۔ 1973ء کے آئین کے لئے 200 ترامیم پیش کیں۔ مولانا صاحب کی قرارداد ہی کے تحت ملک کا نام ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' تجویز کیا گیا' جس کے تحت پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام قرار پایا اور مسلمان کی تعریف متعین ہوئی اور آنحضور ﷺ کا آخری پیغمبر ہونا باضابطہ طور پر تحریر ہوا۔ 1977ء میں بھٹو اور ان کی سیاسی جماعت پیپلز پارٹی کے خلاف چلنے والی ملک گیر تحریک کو ''نظامِ مصطفیٰ تحریک'' کا نام دیا اور اسے کامیاب بنایا۔ بعدازاں جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء اور آمریت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ 1985ء میں سندھ میں لسانی فسادات کی سازش کو ناکام بنایا۔ ''سندھ یونٹی بورڈ'' کے زیراہتمام پورے سندھ کے دورے کئے۔

مولانا شاہ احمد نورانی رمضان المبارک میں ہر سال نماز تراویح میں قرآن پاک سناتے تھے اور تراویح میں سنایا گیا' پارہ بعد میں دوسری مسجد میں نوافل کے دوران میں' جبکہ تیسری مسجد میں نماز تہجد کے دوران تلاوت کرتے تھے' جبکہ ختم قرآن کے بعد دو محافل شبینہ میں بھی قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے۔ مولانا نورانی صاحب کی اچانک وفات سے ایک تو قوم جید عالم دین اور ممتاز آئین دوست اور جمہوریت پسند سیاسی رہنما سے محروم ہوگئی ہے' دوسرے یہ غم انگیز سانحہ اس وقت پیش آیا ہے جب ان کی رہنمائی میں ملک کا ایک بہت بڑا اور اہم سیاسی اتحاد ''اے آر ڈی'' حکومتِ وقت کے ساتھ بنیادی آئینی امور پر ایسا معاملہ طے کرنے والا تھا جس کے قوم و ملک کے مستقبل پر گہرے اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا ان کی وفات حسرت آیات دوہرے نقصان کا باعث بنی ہے' جس کی تلافی مشکل نظر آتی ہے۔

ادارہ ''ندائے خلافت'' ان کے بھائیوں' بہنوں' فرزندوں اور صاحبزادیوں کے غم واندوہ میں برابر کا شریک ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں صبر جمیل کی توفیق ارزانی کرے۔

نعمت و مصیبت میں انسان کا متضاد طرزِ عمل

مسجد دارالسلام باغ جناح' لاہور میں امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید صاحب کے 12 دسمبر 2003ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

> تکلیف پر صبر کرنے کی بجائے کم ہمت بن کر نالہ و شیون کرتا ہے اور
>
> اگر مال و دولت مل جائے تو وہ خزانے کا سانپ بن کر بیٹھ جاتا ہے

سورۂ بنی اسرائیل کی کا نواں رکوع ہمارے زیر مطالعہ ہے۔ آیت 82 میں قرآن حکیم کی عظمت کے بعض پہلوؤں کا بیان ہوا ہے کہ یہ قرآن کیا شے ہے' اسے کیوں نازل کیا گیا ہے' جبکہ ہمارا معاملہ قرآن کے ساتھ یہ ہے کہ ہم نے اسے محض حصولِ ثواب یا مُردوں کو ایصالِ ثواب کا ذریعہ سمجھا ہوا ہے۔ یہ قرآن اصلاً اس لئے نازل نہیں ہوا تھا۔ یقیناً اس کو پڑھنے سے ثواب ملتا ہے۔ ایک حرف کے بدلے میں دس نیکیاں ملتی ہیں' لیکن یہ اصل میں کتاب ہدایت ہے۔ اس میں لوگوں کے لئے زندگی گزارنے کا مکمل ضابطہ اور فکر و عمل ہر پہلو سے مکمل رہنمائی ہے۔ یہ اس راہ عمل کی نشاندہی کرتا ہے جو کہ رب کو پسند ہے اور جس میں انسانیت کی کامل فوز و فلاح ہے۔ گویا یہ قرآن انسان کے لئے آبِ حیات اور پارس کی مانند ہے۔ اس کی رہنمائی میں چل کر انسان واقعتاً وہ انسان بنتا ہے جس کا رتبہ فرشتوں سے بلند ہے۔ چنانچہ آیت 82 میں بتایا گیا: ''اور ہم نے قرآن کے ذریعے سے وہ چیز نازل کی ہے جو مومنوں کے لئے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کے حق میں تو یہ سراسر خسارہ ہے''۔

قرآن حکیم انسان کو تمام باطنی بیماریوں سے نجات دیتا ہے جو اس کی اخلاقی و روحانی ترقی میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ اسی قرآن کے ذریعے رحمتِ الٰہی اس پر سایہ فگن ہوگی اور انسان آخرت کی ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی میں اپنے رب کی رحمت سے شادکام ہوگا۔ لیکن وہ ظالم جن کے سامنے قرآن نازل ہو رہا تھا اور وہ تکبر کی وجہ سے اعراض کر رہے تھے' ان کے طرزِ عمل ان کے خسارے میں اضافے کا موجب بن رہا تھا۔ یہ معاملہ ہر اس شخص کے ساتھ ہے جو طے کر لے کہ مجھے قرآن کی بتائی ہوئی ہدایت پر نہیں بلکہ زمانے کے ساتھ چلنا ہے۔ پھر اگر وہ قرآن پڑھے گا بھی تو اسے ہدایت نہیں ملے گی' یوں وہ ابدی خسارے سے دوچار ہوں گے۔ آگے فرمایا:

''اور جب ہم انسان کو نعمت بخشتے ہیں تو وہ رُوگردانی کرتا ہے اور پہلو پھیر لیتا ہے اور جب اسے سختی پہنچتی ہے تو ناامید ہو جاتا ہے۔'' (آیت: 83)

یہ قرآن مجید کا بہت اہم مضمون ہے جو بہت سے مقامات پر قرآن حکیم میں آیا ہے' لیکن ربط آیات کے حوالے سے اس آیہ مبارکہ کا ایک خاص مفہوم بھی ہے کہ انسان پر اللہ تعالیٰ جو انعامات کرتا ہے ان میں سب سے بڑا انعام قرآن مجید ہے اور انسان اس نعمت سے بے توجہی کرتا ہے اور اپنے تکبر کے باعث اس ہدایت سے پیٹھ پھیر لیتا ہے۔ افسوس اس دور میں قومی سطح پر ہمارا رویہ بھی اس سے مختلف نہیں ہے۔ ہم نے اپنی اجتماعی زندگی کا رُخ قرآن کے برخلاف اختیار کر رکھا ہے۔ کسی نے یہ کہہ کر کہ قرآن نے جو سزائیں مقرر کی ہیں وہ بڑی وحشیانہ ہیں' قرآن سے منہ پھیر لیا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ سود کے بغیر اس دور میں کاروبارِ زندگی نہیں چل سکتا۔ یہ وہی اظہارِ تکبر ہے جس کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔ اور اسی انسان کا حال یہ ہے کہ جب اسے تکلیف پہنچتی ہے' کوئی پریشانی آتی ہے تو کمر ہمت ٹوٹ جاتی ہے۔ اگر اس پر نعمتوں کی بارش ہو تو وہ اِترانے لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس روش کے بارے میں قرآن کے دوسرے مقامات پر بھی شکوے کے انداز میں بیان فرماتے ہیں کہ انسان بہت ناشکرا ہے۔ دراصل وہ اس حقیقت کو فراموش کر دیتا ہے کہ حالت نعمت ہو یا تنگی کی حالت' دونوں آزمائش کی صورتیں ہیں جس سے مقصود صرف یہ امتحان ہے کہ وہ کس طرح ان حالات میں اللہ کی منشاء کو پورا کر کے آخرت میں کامیاب ہو سکتا ہے۔

سورۂ فجر میں اس حقیقت کو بڑے خوبصورت انداز میں بیان کیا گیا ہے: ''انسان کا معاملہ عجیب ہے کہ اس کا رب جب اس کی آزمائش کرتا ہے اس پر عزت و اکرام اور انعامات کی بارش کر کے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت دی۔ اور جب اللہ تعالیٰ آزمائش ہی کے لئے اس کے رزق کو تنگ کر دیتا ہے تو کہتا ہے میرے رب نے مجھے رُسوا کر دیا۔''

بظاہر یہ کافی "Realistic" طرزِ عمل ہے کہ میرے رب نے میرے اوپر نظر کرم کی ہے اور میرے رب نے مجھے رسوا کیا ہے۔ کم سے کم وہ دونوں حالتوں میں رب کو بھولا تو نہیں ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ اس معاملے میں انسان کی غلطی یہ ہے کہ وہ یہ بات نہیں سمجھ رہا کہ اگر اس پر نعمتوں کی بارش ہوئی تھی تو یہ اس کی آزمائش تھی اور جب رزق کے اندر تنگی کی گئی ہے اور مشکل حالات ہیں تو یہ بھی آزمائش کی صورت ہے۔ نہ وہ اللہ کی طرف سے اکرام تھا اور نہ یہ اللہ کی طرف سے توہین اور رسوائی ہے' یہ دونوں حالتیں دراصل آزمائش کی ہیں۔ اس دنیا میں جو حالات بھی انسان پر گزر رہے ہیں وہ صرف اور صرف آزمائش ہیں۔ جو انسان اس حقیقت کو نہیں سمجھتا اسے اگر کچھ مل گیا ہے تو خوشی کے مارے پھول کے کپا ہو جاتا ہے اور تکلیف آ گئی ہے تو ہمت ہی جواب دے جاتی ہے۔ یہی اس کی نادانی' کوتاہ نظری اور نا سمجھی ہے۔

جبکہ قرآن کہتا ہے کہ ہار اور جیت کے فیصلے کا دن یوم محشر ہے۔ اصل کامیابی اور ناکامی کا فیصلہ اس دن ہوگا۔ عزت اور رسوائی کا اصل معاملہ وہاں ہوگا یہاں تو صرف امتحان ہے۔ لہٰذا ایک بندۂ مومن کی روش یہ ہونی چاہئے کہ اللہ کی نعمتیں ملیں تو زبان سے ان کا شکر ادا کرے اور اپنے عمل سے ان نعمتوں کا حق ادا کرے اور جو اس کو زیادہ ملا ہے وہ سمجھے کہ یہ دوسروں کا حق ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ اللہ نے تمہارے مال میں دوسروں کا حق رکھا ہے۔ اس میں اس کی آزمائش رکھی ہے کہ وہ حق واپس لوٹاتا ہے یا نہیں۔ اور اگر تکلیف آئے یا سخت حالات سے سابقہ پیش آئے تو صبر سے کام لے۔ دونوں میں اللہ کو اور اپنی دینی ذمہ داریوں کو فراموش نہ کرے۔ لیکن عموماً انسان کا طرزِ عمل اس ❑

کے برعکس ہوتا ہے۔ جیسا کہ سورہ معارج میں ذکر کیا گیا:

''انسان بڑا تھڑ دلا ہے۔ جب تکلیف پہنچتی ہے تو جزع فزع کرتا ہے اور جب خیر پہنچ جائے' اسے روک کر رکھ لیتا ہے۔''

یعنی تکلیف پر صبر کرنے کی بجائے کم ہمتا بن کر نالہ و شیون کرتا ہے اور اگر مال و دولت مل جائے تو وہ خزانے کا سانپ بن کر بیٹھ جاتا ہے۔ آگے فرمایا: ''الا المصلین'' مگر نمازی یعنی سچے اہل ایمان اس سے مستثنٰی ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کو پہچانا ہے۔ بلکہ جو لوگ حقیقت شناس ہیں' وہ مال و دولت کی کثرت کو زیادہ بڑی آزمائش سمجھتے ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ قیامت کے دن انہیں پائی پائی کا حساب دینا ہوگا۔ چنانچہ جسے دنیا میں زیادہ نعمتیں ملی ہوں گی ان کا حساب آخرت میں زیادہ سخت ہوگا۔ حدیث میں آتا ہے کہ روزِ قیامت ابن آدم کے قدم اللہ کی عدالت سے ہل نہیں سکیں گے جب تک ہر شخص سے پانچ سوال نہ پوچھ لئے جائیں: (1) مہلت عمر کو کہاں لگایا؟ (2) جوانی کہاں خرچ کی؟ (3) مال کہاں سے کمایا؟ (4) مال کہاں خرچ کیا؟ (5) جو علم حاصل کیا تھا اس پر کتنا عمل کیا؟

مختصر یہ کہ اللہ نے تو ہدایت واضح کر دی ہے' اب یہ فیصلہ تمہارا ہے کہ چاہے تو اس کا شکر ادا کرو یا اس کی نعمتوں کا انکار کر دو۔ تمہارا پیدا ہونا یا نہ پیدا ہونا تمہارے اختیار میں نہیں تھا' لیکن تمہیں تمہارے عمل میں ضرور اختیار دیا گیا ہے۔ اما شاکرا و اما کفورا٥ (خواہ شکر گزار بن جاؤ چاہے ناشکری کی روش اختیار کرو) یہاں پر تم سے تمہاری ناشکری پر مواخذہ نہ بھی ہو تو آخرت میں تمہیں اس کی عبرتناک سزا ملے گی۔ آگے فرمایا:

''ہر انسان اپنے طریقے پر چل رہا ہے۔ آپؐ کہہ دیجئے کہ تمہارا رب ہی خوب جانتا ہے کہ کون زیادہ ہدایت یافتہ ہے۔'' کہ ہر شخص اپنے طریقے' اپنے مزاج اور اپنی طبیعت کے مطابق' اللہ کے دیتے ہوئے اختیار کا فائدہ اٹھا کر ہدایت یا ضلالت کی راہ پر گامزن ہے۔ اپنے تئیں ہر شخص اپنے طرزِ عمل کو درست سمجھتا ہے۔ لیکن اللہ خوب جانتا ہے کہ کون فی الواقع راہ ہدایت پر گامزن ہے۔ لوگوں کی سہولت کے لئے اللہ نے قرآن بھی نازل فرمایا ہے اور ہادی اعظم کو بھی مبعوث فرما دیا ہے اب قرآن و سنت ہی انسان کے لئے معیارِ حق کا درجہ رکھتے ہیں۔ آگے فرمایا:

''اور اے نبیؐ یہ آپؐ سے سوال کرتے ہیں روح کے بارے میں' آپ فرما دیجئے کہ روح کا تعلق امر رب سے ہے اور اس روح کے بارے میں تمہیں علم نہیں دیا گیا مگر برائے نام۔''

اس آیت کے بارے میں ان شاء اللہ اگلے جمعے تفصیلی گفتگو ہوگی۔

حالات حاضرہ:

مولانا شاہ احمد نورانی دین و قرآن سے والہانہ تعلق اور سیاسی بصیرت رکھنے والے درویش منش انسان تھے۔ ان جیسے کسی عالم کی موت واقعتاً ایک جہان کی موت سے کم نہیں۔ اگرچہ ہر شخص کو ایک دن اس دنیا سے جانا ہے لیکن مولانا نورانی کی موت اس اعتبار سے بہت بڑا قومی سانحہ ہے کہ آج انکی جگہ پُر کرنے والا کوئی نظر نہیں آتا۔ قحط الرجال کے اس دور میں مولانا کی شخصیت بہت غنیمت تھی۔ ان کی شخصی عظمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ دینی جماعتیں ہمیشہ ان کی سربراہی پر متفق ہو جاتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ متحدہ مجلس عمل جیسے اتحاد کے سربراہ تھے۔ ان کی موت ایم ایم اے کے لئے بہت بڑا دھچکا ہے۔

جنرل مشرف جس طرح اسلام دشمن طاقتوں کے آلہ کار بن کر اسلام کے نام پر قائم ہونے والے ملک کی نظریاتی جڑوں کو کاٹ رہے ہیں' ان حالات میں ملک کو مولانا نورانی جیسے افراد کی بہت سخت ضرورت ہے۔ ہم نے قیام پاکستان کے بعد بحیثیت قوم اللہ کے دین کے نفاذ سے اعراض کر کے ناشکری کی جو روش اختیار کر رکھی ہے اس کی سزا آج پوری قوم بھگت رہی ہے کہ آزادی کی دولت ہم سے چھن چکی ہے اور ہم عملاً امریکہ' یہود اور ہنود کے محکوم بن چکے ہیں۔ ان حالات میں مولانا نورانی کی وفات سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اللہ کا دستِ رحمت ہم سے اٹھ گیا ہے' جس کا مظہر یہ ہے کہ نوابزادہ نصر اللہ خان اور مولانا نورانی جیسے عظیم افراد ہم میں کم ہوتے جا رہے ہیں۔ اور صدر پرویز مشرف کا اقتدار مزید مستحکم ہوتا دکھائی دے رہا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ امریکہ' اسرائیل اور بھارت پاکستان کے نظریاتی وجود کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ پاکستان بھی دنیا کے دیگر ممالک کی طرح ان کے نظام کو قبول کر کے اس سودی نظام کا ایک پرزہ بن جائے جس کا مقصد انسان کو کولہو کا بیل بنانا ہے۔ اگر ہم اب بھی نہ سنبھلے تو وطن عزیز الحاد اور بے دینی کے اس سیلاب میں ڈوب جائے گا۔ ہمارے لئے واحد راہ عمل یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنی ذات اور اپنے گھر سے اصلاح کے عمل کا آغاز کرے اور پھر شریعت کے نفاذ اور دین حق کے قیام کے لئے اجتماعی جدوجہد کا راستہ اختیار کیا جائے۔ ❁

کل پاکستان اجتماعِ ملتزم رفقاء

25 تا 27 دسمبر 2003ء بمقام قرآن اکیڈمی' کراچی

تنظیم اسلامی کے ملتزم رفقاء سے گزارش کی جاتی ہے کہ وہ اس اجتماع کے لئے ابھی سے تیاری شروع کر دیں۔ ملازم پیشہ رفقاء چھٹی اور کاروباری حضرات ان ایام کے لئے متبادل انتظام کے لئے کوشش کا آغاز کر دیں۔

اجتماع کا آغاز ان شاء اللہ 25 دسمبر بروز جمعرات بعد نماز عصر ہوگا اور اختتام 27 دسمبر بروز ہفتہ نماز عشاء پر ہوگا۔

بیرون کراچی کے ذمہ دار حضرات سے گزارش ہے کہ وہ سفر کے انتظامات کی منصوبہ بندی کا آغاز کر دیں۔ سفری اخراجات کے ضمن میں اخوت باہمی کے جذبے کو بروئے کار لایا جائے۔

المعلن: اظہر بختیار خلجی' ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی' پاکستان

تجاوز: خرابی کی اصل جڑ

ایوب بیگ مرزا

سانحہ 1971ء کے تھوڑے سے وقفہ کو تاریخ پاکستان سے نکال دیں تو قیامِ پاکستان سے لے کر 11 ستمبر 2001ء تک پاکستان کے عوام نے ہر مشکل وقت میں افواج پاکستان کی طرف دیکھا ہے اس پر اعتماد کیا ہے اور بیرونی دشمن ہی نہیں اندرونی دشمنوں کے خلاف بھی افواجِ پاکستان کو ملک کی حفاظت و سلامتی کا ضامن سمجھا ہے۔ پاکستان کو ایک آزاد و خود مختار' پر وقار ملک بنانے خصوصاً بھارت سے برابری کی بنیاد پر معاملات کو طے کرنے کے حوالے سے عوام نے پاکستان کے سیاستدانوں کو شک کی نگاہ سے دیکھا ہے اور ''پاک فوج زندہ باد'' کا نعرہ دل کی گہرائیوں سے لگایا ہے۔ راقم نے یہ نقشہ پاکستان کی سڑکوں پر کئی بار دیکھا ہے کہ ٹوٹی پھوٹی سائیکل پر سوار مزدور اور مرسڈیز میں اکڑوں بیٹھا سرمایہ دار فوجی ٹرک کو دیکھ کر بازو اونچا کر کے ہاتھ کو ہوا میں لہراتا ہے اور ملکی سلامتی کے حوالہ سے اپنے جذبہ کا اظہار کرتا ہے۔

یہ بالکل الگ بات ہے کہ عوام کی یہ سوچ درست تھی یا غلط اس لئے کہ اس حقیقت کو تاریخ کے اوراق سے کس طرح کھرچ دیں کہ پاکستان کو جب بھی بھارت کے سامنے مونچھ نیچی کرنی پڑی ہے اس وقت پاکستان پر کسی فوجی ڈکٹیٹر کی حکومت مسلط ہوتی ہے اور بارہا مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ پاکستان نے بھارت کی نسبت بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے اور اس وقت کوئی سول حکومت برسر اقتدار ہوتی ہے۔ آیئے اپنی تاریخ سے چند مثالیں لیتے ہیں۔ بدترین اندرونی و بیرونی حالات کے باوجود پاکستان کا قائم رہ جانا یقیناً اصلاً تو اللہ ہی کے فضل وکرم سے ممکن ہوا لیکن ظاہری طور پر 1988ء سے لے کر آج تک ہماری ایٹمی صلاحیت بھارتی عزائم کے راستے میں دیوار بنی ہوئی ہے اس ایٹمی صلاحیت کے حصول کا آغاز بھی ایک سیاستدان کے دور میں ہوا اور ایٹمی دھماکہ بھی ایک منتخب سویلین کی حکومت نے کیا پھر دیکھئے شملہ معاہدہ ایک فاتح اور ایک شکست خوردہ قوم کے درمیان تھا ان حالات پر نگاہ ڈالیں' شکست خوردہ قوم کے لیڈر نے اس معاہدہ کے ذریعے فاتح ہندو قوم سے بہت کچھ حاصل کر لیا جبکہ 1965ء میں میدان کارزار میں اچھی کارکردگی دکھانے کے باوجود ہم تاشقند میں بازی ہار آئے۔ 1984ء میں ایک جرنیل کے دورِ حکومت میں جب ہماری غفلت کی وجہ سے سیاچین پر دشمن نے قبضہ کر لیا تو مقتدر جرنیل نے ہمیں بتایا کہ سیاچین پر تو گھاس کا ایک تنکا بھی نہیں اگتا گویا غیرت وحمیت اور حق وناحق کا تعلق گھاس کے تنکوں کے اُگنے اور نہ اگنے سے ہوتا ہے۔

موجودہ صورت حال یہ ہے کہ اگرچہ ایک جھوٹی سچی جمہوری حکومت بیساکھیوں کے سہارے کھڑی کر دی گئی ہے لیکن اس حقیقت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ اصلاً ایک فوجی جرنیل پرویز مشرف کی حکومت ہے وہ پرویز مشرف جو بھارت کی دعوت پر آگرہ تشریف لے گئے تھے جو اپنے اس مؤقف پر کہ پاکستان اور بھارت کے درمیان کور ایشو کشمیر ہے پر اس سختی سے ڈٹے ہوئے تھے کہ آگرہ جاتے ہوئے وزیر خارجہ کے سوا کسی محکمہ کا کوئی وزیر نہیں لے کر گئے تھے تا کہ یہ تاثر قائم ہو کہ جب تک کشمیر کا مسئلہ حل نہیں ہوتا ہم کسی دوسرے مسئلہ پر بات بھی کرنے کو تیار نہیں اور جب بھارت نے اپنی روایتی ڈھٹائی کا مظاہرہ کیا تو بوریا بستر اٹھا کر گھر کو لوٹے۔ فوجی ترجمان ہمیں بتاتے رہے کہ سیاچین پر بھارت نے ہمارے علاقے میں پیش رفت کی اب مسئلہ کا حل یہی ہے کہ بھارت اپنے علاقے کی طرف پسپائی اختیار کرے۔ پھر یہ کہ کشمیر کے تنازعہ کو حل کئے بغیر سیاچین میں فائر بندی کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم بھارت کو اجازت دے دیں کہ وہ کشمیریوں پر مظالم ڈھانے کے لئے مزید فوج کشمیر بھیجے۔ جب کسی سیاسی سویلین حکومت نے بھارت سے تجارت کرنی چاہی تو اکثر یہ سنا گیا کہ فوج نہیں چاہتی کہ جب تک کشمیر کا مسئلہ حل نہ ہو جائے بھارت سے کسی سطح پر تعلقات نہ رکھے جائیں پھر نوبت یہاں تک آئی کہ ثقافتی طائفوں کے تبادلے اور کرکٹ میچ بھی کھیلے جانے بند ہو گئے۔ بھارت کنٹرول لائن پر دس پندرہ کلومیٹر باڑ لگاتا تو یہ کہہ کر باڑ گولہ باری سے تباہ کر دی جاتی کہ کنٹرول لائن کے پار متنازعہ علاقہ ہے اور بھارت متنازعہ علاقہ میں باڑ نہیں لگا سکتا۔ سوال یہ ہے کہ اب کس بنیاد پر سیاچین پر فائر بندی سے لے کر کنٹرول لائن پر باڑ لگانے تک تمام بھارتی مطالبات کو من وعن تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اور کشمیر جیسے کور ایشو کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ شاید اسی یوٹرن کا نتیجہ ہے کہ حریت کانفرنس دو حصوں میں بٹ گئی ہے اور اس کی اکثر جماعتیں بھارت سے مذاکرات پر رضامند ہو گئی ہیں۔

اگر ان تمام اقدامات کا مطلب صرف یہ ہے کہ کسی طرح واجپائی سارک کانفرنس میں شرکت کے لئے اسلام آباد قدم رنجہ فرمالیں تو نہ صرف یہ سودا بہت مہنگا ہے بلکہ بے فائدہ اور لاحاصل ہے۔ دنیا سے یہ بات پوشیدہ تو نہ رہ سکے گی کہ ہم نے محض رنگ بازی کی ہے اور confidence building measure کے بھارتی مطالبے کو حقیقت میں تسلیم نہیں کیا لہٰذا وہ لوگ جو آج کل یہ الزام پاکستان پر لگا رہے ہیں کہ دہشت گردی میں ہمارا تعاون دکھاوے کا ہے انہیں مزید سہولت ہوگی کہ وہ دنیا کو بتا سکیں کہ پاکستان مصنوعی' غیر حقیقی اور غیر سنجیدہ طرز عمل اختیار کرنے والا ایک ناقابل اعتماد ملک ہے۔ اور اگر یہ تمام اقدامات سوچ سمجھ کر پائیدار بنیادوں پر کئے گئے ہیں تو پھر تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے کہ ناک پر مکھی بیٹھنے نہ دینے والے آج اتنی غلاظت کیوں اپنے چہرے پر مل رہے ہیں جو راجیو کی آمد پر کشمیر کا بورڈ ہٹا دینے پر بے نظیر کے خون کے پیاسے ہو گئے تھے وہ غوری میزائل کا ڈھانچہ کیوں اپنے ہاتھوں سے مسمار کر رہے ہیں۔ جو واجپائی کے خود چل کر لاہور آنے اور مینارِ پاکستان پر حاضری دینے پر سیخ پا ہو گئے تھے وہ اکھنڈ بھارت کا راستہ دکھانے والے اسی واجپائی کے پاؤں تلے ہاتھ کیوں رکھ رہے ہیں۔ کیا اس بات کی رتی بھر کوئی توقع ہے کہ سیاسی' معاشی اور عسکری سطح پر اونچی پرواز کرنے والا بھارت ہر دم' ہر سطح پر یوٹرن لینے والے پاکستان کے سامنے کشمیر جیسے انتہائی اہم ایشو پر جھک جائے گا اور اہم وجوہات کے علاوہ اس کے لئے ناک کا مسئلہ بھی بن چکا ہے۔ یہ خود فریبی کے سوا کچھ نہیں ہے اور راقم کی رائے میں ایسا نہیں ہے کہ فوجی قیادت اس حقیقت سے ناآشنا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب اقتدار کی چاٹ پڑ جائے اور جب سرکاری درباری جی حضوریئے ناخدا کو خدا بنا دیں اور جب دست چنیدہ نورتن قصیدہ خوانی سے انسان کو دیوتا کے روپ میں پیش کریں تو بہک جانے میں دیر نہیں لگتی۔ خود انسان کی اصل غلطی یہ ہے کہ وہ تجاوز کرتا ہے۔ اپنے لئے وہ چاہتا ہے جس کا اسے حق حاصل نہیں ہوتا' دنیا میں بلند ترین مقام حاصل کئے بغیر اسے چین نہیں آتا۔ میری حیثیت حکم دینے کی ہو اور باقی سب کی سننے کی ہو۔ مجھے کوئی حکم دینے والا نہ ہو' میرا کوئی ہاتھ نہ روکے۔ آج پاکستان کے مشرف ہی نہیں امت

مسلمہ کے تمام لیڈر الا ماشاء اللہ اس بیماری میں مبتلا ہو چکے ہیں اب اس ہوس اقتدار کی آگ کو بجھانے کے لئے کچھ قوتوں کی ضرورت ہے۔

آج دنیا میں اس خواہش کو پورا کرنے کا جائز طریقہ یہ ہے کہ عوامی قوت سے اقتدار حاصل کیا جائے۔ عوامی قوت کا حاصل کرنا کسی کے اپنے بس کی بات نہیں ہوتی لہٰذا حقیقت یہ ہے کہ جب اندرون ملک یہ قوت حاصل نہیں ہو رہی' عوام قطعی طور پر ساتھ نہیں اور عوام سے گزشتہ چار سال میں جو سلوک ہوا ہے وہ کس بنیاد پر ساتھ دیں' سیاسی جماعتیں اپنے اپنے مفادات رکھتی ہیں جو تعاون کرنے کو تیار ہوتی ہیں وہ بھی اقتدار میں معقول حصہ مانگتی ہیں۔ اس اقتدار کے لئے سارا کھکیڑ مول لیا تھا لہٰذا اقتدار کو مستحکم اور پائیدار بنانے کے لئے اندرون ملک درکار قوت دستیاب نہیں تو پھر باہر والوں کا سہارا لو۔ اپنے سابقہ موقف کی تاویلیں گھڑ لو اتنا کرنے سے کیا فرق پڑ جائے گا اور یہ بات مان لینے سے ہمارا کیا بگڑ جائے گا اور امن کے فلسفے کے پجاری بن کر پسپائی اختیار کئے چلے جاؤ۔ یہ پسپائی کب تک چلے گی' کہاں تک لے جائے گی۔ خوف کو بطور پالیسی اپنا کر کتنی ڈیفنس لائنیں خود دشمن کے حوالے کرتے چلے جائیں گے۔ یقیناً اس وقت تک جب تک حق سے تجاوز کرنے کی شیطانی خواہش کے خلاف جہاد نہیں کرتے۔

عراق سے صدام حسین کی گرفتاری کی خبریں رات بھر مغرب کے ٹی وی چینل دیتے رہے۔ نیوز کاسٹرز اور تجزیہ نگاروں سے اپنی خوشی چھپائے نہیں چھپتی تھی۔ صدام حسین یقیناً گرفتار ہو گیا ہو گا کسی انصاف پسند مسلمان کو بھی صدام حسین کی گرفتاری پر افسوس نہیں ہو گا لیکن امریکہ دشمنی میں مسلمانوں کو صدام کی گرفتاری پر یقیناً افسوس ہے کہ امریکہ کو یہ کامیابی کیوں حاصل ہوئی۔ لیکن شاید امریکی سیاست میں بھی اب ڈرامہ بازی ایک اہم حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ راقم کی رائے میں صدام بہت پہلے گرفتار ہو چکا ہے۔ پروگرام کچھ یوں لگتا ہے کہ صدر بش کی انتخابی مہم کے آغاز میں یہ خبر دے کر ان کی پوزیشن کو بہتر کیا جائے۔ راقم کی رائے میں عین ممکن ہے کہ الیکشن سے حصلاً قبل اسامہ بھی برآمد ہو جائیں۔ واللہ اعلم

لیکن جھوٹ اگر اس درجہ سپریم پاور آف دی ورلڈ کی سیاست میں شامل ہو گیا تو زوال کا باعث بن سکتا ہے۔ علاوہ ازیں عراق میں تشدد میں اگر کمی نہ آئی تو بش کی انتخابی مہم بری طرح اثر انداز ہو گی۔ لیکن یہ توقع کرنا حماقت ہو گی کہ بش کا متبادل یا دشمن امت مسلمہ کا دوست ہو گا۔ ❁

تنظیم	اسلامی کا	پیغام
نظام	خلافت کا	قیام

مکتوب شکاگو

نابیناؤں کی عید!

رعنا خان

✿ ہائی ٹیک کے اس دور میں جہاں اب چھتوں پر چڑھ کر عید کا چاند نہیں دیکھا جاتا اور انٹرنیٹ کے ذریعے عید کارڈ بھیجے جاتے ہیں وہیں عید کی رسموں میں ویسٹرن کلچر نے بھی انتہائی سرعت کے ساتھ جگہ بنا لی ہے جس کا عظیم الشان مظاہرہ نارتھ امریکہ میں آباد مسلمان ہر سال عید کے موقع پر ڈھٹائی کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ امریکہ کے چاروں بڑے شہروں نیو یارک، شکاگو، لاس اینجلس اور ہیوسٹن میں ہر سال عید کے موقع پر مسلمانوں کے بڑے اجتماعات ہوتے ہیں۔ رمضان المبارک کے آخری عشرے کے دوران ان شہروں میں جہاں مسلمانوں کی آبادی کئی ملین ہے چاندرات شوز کی وبا پھوٹ پڑتی ہے۔ ان شوز میں شرکت کے لئے پاکستان سے سنگرز بطور خاص بلائے جاتے ہیں۔ ان شوز کو کامیابی سے ہمکنار کرانے کے لئے رمضان المبارک سے قبل ہی ان کی تشہیر شروع کر دی جاتی ہے، ان میں خواتین کو مفت چوڑیاں تقسیم کی جاتی ہیں، مہندی لگائی جاتی ہے اور بچوں کو عیدی بھی دی جاتی ہے۔ سال کے بقیہ دنوں کے مقابلے میں ان شوز میں داخلے کا ٹکٹ دس ڈالر سے زیادہ نہیں رکھا جاتا تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھو سکیں۔ عام طور پر یہ شوز صبح کے تین چار بجے تک جاری رہتے ہیں لہٰذا گزشتہ چند سالوں سے ان شوز میں شریک ہونے والے عابدوں زاہدوں کے لئے عید کے دن ایک نماز ساڑھے گیارہ بجے بھی پڑھائی جانے لگی ہے۔ امریکہ میں ان چاندرات شوز کا آغاز کرنے والے نیو یارک میں مقیم پاکستان کی ایک مشہور سماجی شخصیت بشیر قمر کو اس سال "بابائے چاندرات" کے دلنشیں لقب سے بھی نوازا گیا ہے۔ پاکستانی کمیونٹی بشیر قمر کی انتہائی مشکور ہے کہ ان کی وجہ سے ہمارے بچے عید کے "صحیح مفہوم" سے آشنا ہوئے ہیں۔ ان شوز کی بدولت پاکستانی خواتین' بچے' بوڑھے اور نوجوان امریکہ میں پاکستانی ماحول محسوس کرتے ہیں۔ یہ پروگرام عید کو پر رونق اور منفرد بنانے کے لئے منعقد کئے جاتے ہیں۔ پاکستانی بازاروں میں چاندرات کو بلند آواز میں انڈین اور ڈسکو میوزک بجائی جاتی ہے اور دوسرے دن اخبارات میں سرخیاں لگائی جاتی ہیں کہ "شمالی امریکہ میں عید کا تہوار مذہبی جوش و خروش سے منایا گیا' خطے کی ہزاروں مساجد میں لاکھوں فرزندانِ توحید نے عید کی نماز ادا کی، تمام بڑے شہروں میں چاندرات میلوں نے لوگوں کے دل لوٹ لئے" وغیرہ وغیرہ۔ چاندرات شوز کی ان بھرپور کامیابیوں کے پیچھے صرف ان کے آرگنائزرز کی عرق ریزی ہی نہیں بلکہ تصنع کا شکار پاکستانی کمیونٹی کی نالائقی بھی ہے۔ شدید سردی اور طوفانی بارش کے باوجود ان شوز میں شرکت کرنا اور رمضان المبارک کے اختتام پر تھرڈ کلاس گویوں کے گانوں پر نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کے دھمال درحقیقت اس لئے ہیں کہ اسلام کے نام پر جو ملک 1947ء میں بنا تھا' اس کی قوم آج تک نہیں بن سکی۔ پاکستانی قوم چاہے سرحدوں کے اندر ہو یا باہر' ہر حال میں پاکستانی کہلائے گی اور جس طرح دماغ میں خیالات ہوا کرتے ہیں یا ہر گھر کی ایک مخصوص فضا ہوا کرتی ہے بالکل اسی طرح ہر قوم کا ایک مزاج ہوا کرتا ہے اور پاکستانی قوم کے مزاج میں بے حسی اب اس حد پر پہنچ چکی ہے کہ فلسطین' کشمیر' افغانستان اور عراق ہمارے روز و شب پر ذرا سا بھی اثر انداز ہوتے دکھائی نہیں دیتے۔ امریکہ میں آباد پاکستانی ویسٹرن طور طریقوں کے مطابق عید منا کر یہ سمجھ رہے ہیں کہ اس طرح انہیں امریکہ میں پر وقار طریقے سے زندگی گزارنے کے مواقع میسر آ جائیں گے اور دوسری طرف امریکی پاکستانیوں کے خلاف جرمِ منافرت زوروں پر ہے۔ ٹیکساس کے شہر ہیسٹروپ میں پاکستانی شہری کو گمنام حملہ آور نے اس کے گھر میں گھس کر گھر والوں کے سامنے قتل کیا اور فرار ہو گیا۔ نیو یارک میں نمازِ تراویح سے فارغ ہو کر مسجد سے باہر آنے والے دو بھائیوں کو 35 افراد کے گروپ نے طالبان کو مارو کا نعرہ لگا کر وحشیانہ تشدد کا نشانہ بنایا۔ کئی پاکستانیوں کی املاک کو نقصان پہنچایا گیا۔ ان تمام واقعات کو پولیس نے جرم منافرت کی بدترین مثال قرار دیا ہے۔ اس سلسلے میں پاکستانی اخبارات وٹیلی ویژن فیصلہ کن کردار ادا کر سکتے ہیں لیکن وہ کمیونٹی کے شانہ بشانہ وطن عزیز میں نیو ائیر اور دیارِ غیر میں عید کو ویسٹرن اسٹائل کی سطح پر لا کر کھڑا کر دینے میں مصروف ہیں کیونکہ بقول انکے اسکا فا

یہ ہوگا کہ جہاں یہاں پلنے بڑھنے والی نوجوان نسل کو ''اپنے'' تہذیبی و ثقافتی ورثے سے مکمل آگاہی نصیب ہوگی وہیں وطن عزیز میں آباد پاکستانی بھی نیو ایئر کی تقریبات کی بدولت ماڈرن دنیا سے متعارف رہیں گے۔ چونکہ ایسی سوچ رکھنے والوں کے دل بصیرت سے خالی ہیں لہٰذا ان کی عید نابیناؤں کی عید ہے۔ یہ اسلام آباد میں نیو ایئر مناتے ہوں یا نیویارک میں عید ویسٹرن کلچر کی چکاچوند میں بالکل ایسے نابینا ہوکر مناتے ہیں جیسے خلیجی جنگ میں عراق کے ریڈارز کو جام کرکے عراقی ایئر فورس کو نابینا کر دیا گیا تھا۔ ❁

(۲)

ڈیڈ اینڈ Dead End!

❁ اس وقت امریکہ اور اس سے کہیں بڑھ کر امریکی صدر جارج بش کے خلاف دنیا بھر میں جس قدر نفرت پائی جا رہی ہے اس کی پوری امریکی تاریخ میں کہیں کوئی مثال موجود نہیں ہے۔ صدر جارج بش کے حالیہ دورۂ برطانیہ کے موقع پر امریکی اخبارات نے انتہائی دلچسپ رپورٹس شائع کی ہیں۔ ان تمام رپورٹس کے مطابق برطانیہ میں مقیم امریکیوں نے جارج بش کی دورۂ برطانیہ سے واپسی پر خوشی کا اظہار کیا ہے کہ بش کی وہاں موجودگی کے دوران ان امریکیوں کی سانسیں اتھل پتھل رہیں۔ ان امریکیوں کے مطابق جب ان کے امریکی ہونے کا راز ان کے لب و لہجے کے باعث کسی انگریز پر کھل جاتا ہے تو وہ فوراً امریکہ اور امریکیوں کی شان میں گستاخی پر اتر آتا ہے۔ برطانیہ میں سالوں سے آباد ان امریکیوں کا کہنا ہے کہ ہم نے یہاں جنگ عظیم اور ویت نام کی جنگ کے دوران بھی امریکہ مخالف جذبات دیکھے ہیں لیکن اتنی نفرت و مخالفت کبھی نظر نہیں آئی جیسی فی الوقت ہے۔ برطانوی شہری برملا یہ بات کہہ رہے ہیں کہ جارج بش کی پالیسیوں نے تمام دنیا کو ایک خطرناک جگہ بنا دیا ہے اور ٹونی بلیئر نے جارج بش کا ساتھ دے کر برطانوی شہریوں کو بھی دنیا بھر میں خطروں سے دوچار کر دیا ہے۔ یہ تو برطانیہ میں مقیم امریکیوں کے تاثرات ہیں جبکہ باقی ماندہ یورپ اور عالم اسلام میں امریکہ مخالف جذبات اس سے کہیں زیادہ شدید ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ بہت سے ایسے لوگوں کے لئے جو کبھی امریکہ نہیں آئے آج بھی امریکہ ویسا ہی ہو جیسا کہ مارک ٹوئن، ولیم فالکنر اور ہیریٹ بیچر کے ناولوں میں بیان کیا گیا ہے لیکن حقیقتاً یہ ملک نہ صرف اپنا قومی وقار کھو چکا ہے بلکہ مستقبل قریب میں اب اس کی قسمت کی کوئی گارنٹی بھی نہیں دی جاسکتی۔ امریکہ اس حقیقت سے اب اچھی طرح آگاہ ہو چکا ہے کہ دنیا بھر میں واشنگٹن کے ڈسے اداس، پریشان اور اپنے وطن کے ساتھ حب الوطنی کے جذبات سے معمور معصوم انسان قدرت سے امریکہ کے لئے صرف عذاب ہی مانگتے ہیں۔ لہٰذا امریکی حکومت اپنے عوام کی اسکولنگ عین اپنی ڈیمانڈز اور اپنے آپ کو یہ تسکین دلانے کے تحت کرتی ہے کہ جس حقیقت سے ہم آشنا ہو چکے ہیں اور خوفزدہ بھی ہیں اور ذمے داریوں کو ادا کرنے کے اہل بھی ثابت نہیں ہو پا رہے اس حقیقت کو امریکی عوام نہ پا جائیں۔ اسی لئے جذبۂ حب الوطنی عوام میں کوٹ کوٹ کر بھرنے کے لئے ایک سے بڑھ کر ایک دلکش اصطلاح عمل میں لائی جا رہی ہے۔ امریکیوں کے دماغوں میں یہ بات راسخ کر دی گئی ہے کہ وطن سے محبت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ آپ کی گاڑی سے لے کر گھر کے لان تک امریکی پرچم لہراتا دکھائی دے اور وطن سے غداری جب ثابت ہو جاتی ہے جب آپ صدر کی عزت نہ کریں اور اس کے کئے گئے فیصلوں پر آواز اٹھائیں۔ Media parrots صدر اور اس کی ایڈمنسٹریشن کی کہی گئی ہر بات اور بیان کو اس قدر دہراتے ہیں کہ عوام کے دماغ بھی اسی کی تکرار کرنے لگتے ہیں لہٰذا امریکی صدر کہتا ہے کہ صدام حسین ہم پر صرف 45 منٹس کے نوٹس پر حملہ کرسکتا ہے مفلوج ذہن والے عوام بھروسہ کر لیتے ہیں۔ واشنگٹن بیان جاری کر دیتا ہے کہ نائن الیون میں عراق بھی ملوث تھا اور امریکہ کے تین بڑے تعلیمی اداروں سے عراقی اسٹوڈنٹ نکال باہر کئے جاتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر جو چیز عوام کو مکمل کوے کی حالت میں لے جانے کا باعث بن چکی ہے وہ یہ نعرہ ہے کہ Don't you support the troops? اور عوام کے دل آنکھوں کے رستے بہہ نکلتے ہیں اور بزدل کراہ اٹھتے ہیں کہ آپ جو کہیں گے، ہم وہی کریں گے۔ بس ہمیں کسی طرح صدام حسین اور القاعدہ کا شکار ہونے سے بچالیں۔ بے چارے یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ان کو اصل خطرہ اپنی حکومت اور اس کی مطلق العنان پالیسیوں ہی کی طرف سے درپیش ہے اور اسکی ابتداء اسی روز ہوگئی تھی جب صدام حسین کے لئے weapons of mass destruction اور طالبان کے لئے دنیا کی بدترین مخلوق کے الفاظ سے دنیا کو امریکی میڈیا نے روشناس کرایا تھا اور اسی کی پاداش میں امریکہ اور امریکی عوام اب اس ڈیڈ اینڈ پر پہنچ چکے ہیں جہاں کھڑے ہو کر امریکہ کا صاحبِ بصیرت طبقہ یہ سوال کرنے پر مجبور ہے کہ کیا اب بھی ہمیں فورتھ آف جولائی منانے کی ضرورت ہے اور جس کی پیشن گوئی امریکہ کا صحرائی دانشور جے۔ ایم۔ ڈومیسکی برسوں پہلے کر گیا تھا کہ ''امریکہ کی عظمت کے دن گنے جا چکے ہیں۔''

النصر لیب

مستند اور تجربہ کار ڈاکٹروں کی زیرنگرانی ادارہ
ایک ہی چھت کے نیچے تمام اقسام کے معیاری لیبارٹری ٹیسٹ'
ایکسرے' ای سی جی اور الٹرا ساؤنڈ کی سہولیات

خصوصی پیکج
خصوصی میڈیکل چیک اپ ☆ الٹرا ساؤنڈ ☆ ای سی جی ☆ ہارٹ ☆ لیور ☆ کڈنی ☆ جوڑوں سے متعلقہ متعدد ٹیسٹ / ہیپاٹائٹس بی اور سی ☆ بلڈ گروپ ☆ بلڈ شوگر ☆ مکمل بلڈ اور مکمل پیشاب ٹیسٹ صرف 1500 روپے میں کروائیں۔

تنظیم اسلامی کے رفقاء اور ندائے خلافت کے قارئین اپنا ڈسکاؤنٹ کارڈ لیبارٹری سے حاصل کریں۔

ISO 9001:2000
QMS CERTIFIED CLINICAL LAB
BY MOODY INTERNATIONAL

النصر لیب: 950۔ بی' مولانا شوکت علی روڈ' فیصل ٹاؤن (نزد راوی ریسٹورنٹ) لاہور
فون: 5162185-5163924 موبائل: 0300-8400944
E-mail: alnasar@brain.net.pk Website: www.alnasar.com.pk

مغل دربار کے اندرونی حالات

سید قاسم محمود

اس طرح ایسٹ انڈیا کمپنی کی برکتوں سے نہ صرف تمام جاگیردار' تعلقہ دار' انعام دار اور معافی دار فقط ''نادار'' بنا دیئے گئے' بلکہ عام لوگ بھی بے سہارا ہو کر دانے دانے کو محتاج ہو گئے۔ پہلے کاشتکار اور کسان خوشحال تھے۔ گاؤں میں پنچایت مقرر تھی' جس کے ذریعے دیہات کے باشندے اپنے آپس کے جھگڑے بغیر کسی عدالتی دوڑ دھوپ اور الجھن کے خود ہی فیصلہ کرلیا کرتے تھے' مگر ملک پر انگریزوں کا راج مسلط ہونے پر پنچایتی نظام ختم ہو گیا۔

یہاں دو ذمہ دار انگریز مؤرخوں کے بیانات پیش کئے جاتے ہیں تاکہ ''پہلی جنگ آزادی'' یا غذر یا بغاوت جو بھی اسے نام دیا جائے' اس وقت کی عام اقتصادی حالت کا نقشہ پوری طرح ذہن میں آسکے۔

☆ ''ہم (انگریز) ہندوستانی صنعت وحرفت کو تباہ کر چکے ہیں۔ کیا تم اہل ہند کو دوبارہ خوشحال کرنے کے لئے انگلستان کو تباہ و برباد کرنا چاہتے ہو؟ ہندوستان یا انگلستان دونوں میں سے کسی ایک کی صنعت وحرفت قربان کرنا دوسرے کی ترقی کے لئے لازمی ہے''۔ (بروکل ہرسٹ)

☆ ہندوستان جس طرح زرعی ملک ہے' اسی طرح صنعتی بھی ہے۔ اس کی مصنوعات نہایت کامیاب رہی ہیں اور کوئی قوم بھی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ اب ہندوستان کو صرف زرعی ملک بنا دینا سخت ناانصافی اور ظلم ہے۔ (مارٹن)

سوال یہ ہے کہ ہندوستان کی اس اقتصادی بدحالی کے ذمہ دار صرف انگریز تھے یا اس میں مغل دربار کا بھی کچھ حصہ ہے؟!

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ عوام کی اقتصادی بدحالی میں مغل دربار کا حصہ انگریزوں کے برابر ہی نہیں' بلکہ بہت زیادہ ہے۔ اصل اور بنیادی ذمہ داری بہرحال مغل بادشاہوں کے رویئے' کردار اور حکمت عملی پر عائد ہوتی ہے۔

مغل خاندان کے بادشاہ جو دہلی کے تخت پر شہنشاہ اورنگ زیب کے بعد متمکن ہوئے' اپنی رنگ رلیوں اور غفلت کی بدولت کمزور اور تباہ ہوتے چلے گئے اور اس طرح خود بہ خود انگریزی سامراج کے لئے راستہ ہموار ہوتا گیا۔ ہوا یہ کہ اورنگ زیب کی وفات (مارچ 1707ء) کے بعد جانشینیوں میں جنگ ہوئی جس میں معظم شاہ کامیاب ہوا اور بہادر شاہ کے نام سے تخت پر بیٹھا' اگلے ہی سال اس کو پھر اپنے بھائیوں سے دکن میں لڑنا پڑا اور صرف چھ سال ہی حکومت کی تھی کہ انتقال ہو گیا' اس کا بیٹا عظیم الشان ہر طرح سلطنت کی اہلیت رکھتا تھا مگر تخت نشینی کے لئے پھر ایک خون ریز جنگ ہوئی جس میں جہاں دار شاہ تخت کے لئے زندہ بچا جو نہایت عیاش اور نالائق تھا۔ دن رات طوائفوں اور ذلیل مصاحبوں کے ساتھ دادِ عیش دیتا تھا۔ اس نے کمین اور بدذات لوگوں کو معزز عہدے دیئے اور اپنے خاندان کے تمام شہزادوں کو قتل کرا دیا' یہیں سے سلطنت کے نظام میں ابتری شروع ہو گئی اور جہاں دار شاہ کو عیاشیوں کی سزا دینے کے لئے قدرت نے عظیم الشان کے بیٹے فرخ سیر کو بھیجا جس نے جہاں دار کو ذلت آمیز شکست دی اور وہ اپنی داشتہ طوائف لال کنور کے ساتھ زنانہ بھیس بدل کر دہلی کو بھاگ گیا لیکن بعد میں قتل کرا دیا گیا۔ فرخ سیر نے بھی ظلم وستم میں کسر نہ چھوڑی اور مغل شہزادوں کو قتل اور اندھا کیا۔ اس بربریت سے سلطنت کے کاموں میں رخنے پڑے اور شرفا میں خوف و ہراس پھیل گیا۔ ''یہاں تک کہ جو دربار میں جاتا اسے واپس آنے کی امید نہ ہوتی تھی۔'' مگر یہ غرور اس طرح خاک میں ملا کہ فرخ سیر کو بارہہ کے سیدوں نے جن کا اس زمانے میں عروج واقتدار بڑھ گیا تھا' پہلے تو اندھا کیا اور پھر نہایت تکلیف دے کر قتل کرا دیا۔ (فروری 1719ء) اب مغل تاج وتخت ان سیدوں کے ہاتھ میں کھلونا تھا کیونکہ کوئی بھی اس عظیم الشان سلطنت کا والی نہ رہا تھا۔

''کٹھ پتلیاں''

چند مغل شہزادے زنانہ محلات میں نظر بند تھے جنہیں عورتوں کی صحبت نے کاہل مزاج اور ناکارہ بنا دیا تھا۔ یہی شہزادے سیدوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن سکتے تھے۔ چنانچہ ان ''پنجروں'' میں سے ایک بیس سالہ مدقوق شہزادہ (رفیع الدرجات) نکالا گیا اور تخت کی زینت بنا دیا گیا چند ماہ بعد جب یہ شہزادہ مر گیا تو دوسرا نکال کر بٹھا دیا گیا۔ یہ حضرت (رفیع الدولہ) جو شہنشاہ ہند بنائے جا رہے تھے بمشکل پندرہ برس کے تھے مگر بیگمیں سات آٹھ رکھتے تھے' جب محل سے باہر نکالے گئے تو سب کی صورت دیکھ کر سہمے جاتے اور اپنی اماں جان سے لپٹ کر روتے تھے کہ ''اماں جان مجھ کو کہاں بھیجتی ہو میں نہیں بچوں گا''۔ توپوں کی آواز نے تو شہنشاہ ہند کا حال پتلا کیا ہی تھا' نیکوسیر سے ایک جنگ کا سماں اور لاشیں دیکھ کر بالکل ہی بے جان ہو گئے تو سیدوں نے ایک اور مقید شہزادے روشن اختر کو لا بٹھایا جو محمد شاہ رنگیلا کے نام سے مشہور ہے۔

محمد شاہ رنگیلا

محمد شاہ کے عہد میں سیدوں کا تو خاتمہ ہو گیا مگر سلطنت کو گھن لگ چکا تھا' مرہٹوں نے حملے شروع کر دیئے۔ امن وامکان مفقود ہو گیا' محمد شاہ رنگیلے کی عیاشیاں تو مشہور ہیں' ان سے بھلا سلطنت کیا ہوتی' رہی سہی کسر نادر شاہ کے حملے (1739ء) نے پوری کر دی جس نے دہلی میں ہولناک قتل عام کرایا اور جاتے وقت تخت طاؤس کے علاوہ کروڑوں روپے کے بیش قیمت ہیرے جواہرات (جن کی قیمت کا اندازہ بیس کروڑ سے زائد کیا جاتا ہے) لے گیا اور ساتھ ہی خزانے میں بھی جھاڑو دے دی۔ جہاں سے تیس کروڑ روپیہ اس کے ہاتھ لگا۔ تخت طاؤس سات کروڑ روپے کا تھا۔ اس پر بھی ان رنگیلے شاہ کی عیاشیاں بدستور تھیں اور وہ تین تین سو کسبیاں ننگی اپنی سامنے نچاتے تھے' باورچی خانے کا خرچ تین کروڑ روپے ماہوار تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کی مالی حالت نہایت خراب ہو گئی' ملازموں کو کئی کئی مہینے تنخواہیں نہ دی جاسکیں۔ ادھر تخریبی عناصر نے سر اٹھایا اور مرہٹوں' روہیلوں' سکھوں اور افغانوں سب ہی نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ملک کا امن وامان غارت کرنا شروع کر دیا۔ مرکز کو کمزور پا کر صوبوں نے خودمختاری کے اعلانات شروع کر دیئے۔ رنگیلے کے بعد احمد شاہ تخت نشین ہوا' مگر پانچ چھ سال بعد ہی کمانڈر انچیف صاحب (غازی الدین) نے بادشاہ اور ملکہ کی آنکھیں نکال لیں اور پھر معظم بہادر شاہ کے پوتے کو عالمگیر ثانی کے لقب سے تخت پر بٹھا دیا۔

عالمگیر ثانی

مغل شہزادے ''ہمہ خانہ آفتاب'' کا مصداق تھے جب سے جہاں دار شاہ نے لال کنور کو ملکہ بنا کر ڈوموں کو عہدے دیئے' اس وقت سے مغل خاندان کا رنگ بگڑتا ہی چلا گیا۔ چنانچہ ان عالمگیر صاحب کا جو لقب تو اورنگ زیب جیسے شاہ ذی جاہ کا اختیار کئے ہوئے تھے مگر کردار میں

موجودہ زمانے کے کسی تانگے والے سے بھی بدتر تھے۔ یہ حال تھا کہ ایک پھل بیچنے والی کنجڑن پر مرمٹے اور اس کو ملکہ بنا کر چھوڑا۔ قدرت کی ستم ظریفی ہے کہ اس کو بھی لال کنور کا خطاب ملا اور شہنشاہ ہند اس کے زانو پر سر رکھ کر دین و دنیا سے بے خبر ہو گئے انجام یہ ہوا کہ آصف جاہ کے بیٹے غازی الدین نے ان حضرت کو بھی ذبح کر ڈالا (1759ء)۔ اسی زمانے میں مرہٹوں کی طاقت بہت بڑھ چکی تھی اور دوسری طرف احمد شاہ ابدالی کے حملے شروع ہو گئے جس نے 1761ء میں پانی پت کے میدان میں ایک خون ریز جنگ کر کے اس کی بڑھتی ہوئی طاقت کو کافی کمزور کر دیا۔ مگر اس طرح ان کو شکست دے کر واپس لوٹ گیا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو شاید یہ بدنصیب ملک برطانوی درندوں کی "چراگاہ" بننے سے بچ جاتا کیونکہ مرہٹوں کی کمزوری اور پسپائی سے مغل تو فائدہ اٹھانے کے قابل ہی نہ تھے البتہ انگریزی سامراج کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے لئے راستہ صاف ہو گیا۔

احمد شاہ ابدالی کے حملے نے ملک کی حالت اور خراب کر دی۔ وہ اپنے ساتھ کروڑوں روپے کے جواہرات لے گیا' یہاں تک کہ دیوانِ عام کی نقرئی چھت تک گلا کر اتار لی گئی اور موتی مسجد (لال قلعہ) میں جو دُرِ آب دار کا گچھا لگا ہوا تھا' اتار لیا گیا۔ پھر اس نے اپنی اور اپنے بیٹے کی شادی مغل خاندان میں کر کے لاکھوں روپے کا جہیز وصول کیا۔

شاہ عالم

عالمگیر ثانی کا جانشین شاہ عالم ہوا جو اپنے کو پہلے ہی انگریزوں کی پناہ میں دے چکا تھا' کہاں جاتا ہے کہ وہ اسی کنجڑن کے بطن سے تھا جو عالمگیر ثانی کی چہیتی ملکہ بنی تھی اور اس کا کردار بھی یہی ظاہر کرتا ہے۔ پرورش آپ کی اس طرح ہوئی تھی کہ چھ سہیلیوں کے جھرمٹ میں رہتے تھے' جب غازی الدین نے قلعے کو گھیر لیا تو الہ آباد کو بھگا دیئے گئے جہاں ہر وقت اپنی سہیلیوں کو یاد کر کے روتے اور شاعری کرتے تھے۔ جنگِ بکسر میں انگریزوں کے خلاف صف آراء ہوئے مگر وہ دست و بازو ان کے پاس کہاں تھے جو تلوار پکڑتے ہیں۔ لہٰذا اپنے آپ کو انگریزوں کی پناہ میں دے دیا اور پھر ان کو اس سرپرستی کا انعام بھی عطا فرمایا یعنی کھانے کی میزوں پر بیٹھ کر بنگال' بہار اور اڑیسہ کی دیوانی فقط 26 لاکھ مال گزاری کے عوض بخش دی۔ مورخ مارش مین لکھتا ہے: "لارڈ کلایو کے خیمے میں دو کھانے کی میزیں برابر کر کے رکھ دی گئیں اور ان کے اوپر ایک کرسی رکھ دی گئی جس پر زردوزی کی پوشش پڑے ہوئی تھی۔ شہنشاہ اس پر بیٹھے اور ایک ایسی مملکت' جس میں ڈھائی کروڑ نفوس کی آبادی تھی اور تین کروڑ سالانہ کی آمدنی تھی' کلایو کے حوالے کر دی گئی۔"

ایک جنبشِ قلم نے' اتنے کم وقفے میں ان سفید درندوں کے آگے ڈال دیئے جو ایک گدھے کی خرید و فروخت کے لئے بھی ناکافی تھا (1765ء)۔ اس زمانے میں مرہٹے پھر زور پکڑ گئے اور دہلی پر بھی ان کا اقتدار قائم ہو گیا چنانچہ 1771ء میں انہوں نے شاہ عالم کو تخت نشین کیا مگر وہ عیش و عشرت میں اپنے باپ دادا سے بھی بازی لئے ہوئے تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ غلام قادر روہیلے نے قلعے میں گھس کر شاہی خاندان کی عورتوں تک کو ذلیل کیا اور لوٹا۔ پھر شاہ عالم کی آنکھیں نکال لیں۔ اس کا حد سے زیادہ ظلم و جور دیکھ کر چند راجپوت برداشت نہ کر سکے اور تلوار سونت کر کہا: "اپنا ہاتھ روک لے ورنہ تیری بھی آنکھیں نکال لیں گے"۔ تب کہیں وہ باز آیا مگر جب مرہٹہ سردار مادھو جی سندھیا کو بادشاہ کی اس بے عزتی کی خبر ملی تو اس کو سخت غصہ آیا اور مرہٹوں نے غلام قادر کو بکرے کی طرح ذبح کر کے اس کا سر شاہ عالم کے پاس بھیجا۔ چنانچہ شاہ عالم نے ایک فارسی قصیدے میں مادھو جی کو "فرزندِ جگر" کہا ہے:

"مادھو جی سندھیا فرزند جگر بند من است
ہست مصروف تلافی ستم گاری ما"

آنکھیں نکلنے کے بعد "شہنشاہِ ہند" کی خواہشات نفسانی کی آگ بجائے کم ہونے کے اور تیز ہو گئی چنانچہ خواجہ سراؤں کو حکم ہوا کہ "اگر کوئی خوبصورت لڑکی نظر آئے تو ہمارے نکاح کی ترکیب لڑاؤ"۔ ادھر تو بادشاہ کی نفس پرستی کا یہ عالم تھا' دوسری طرف مرہٹوں نے لال قلعے کے تمام قیمتی زر و جواہر اپنی قبضے میں کر لئے اور مکمل اختیار ہو گیا۔ لیکن اس کے باوجود ہندوستان کے عوام مل کر شہنشاہوں کی بڑی عزت کرتے اور اسی کو بادشاہ مانتے تھے چنانچہ مارش مین اقرار کرتا ہے کہ:

"شہنشاہ دہلی اگر اس وقت اپنی خودمختاری اور اپنی آنکھوں سے محروم تھا پھر بھی اس کو ہندو مسلمان یکساں سرچشمہ عز و شان سمجھتے تھے اور شاہی مہر سے جو پروانہ منصب داری کا اس زمانے میں بھی عطا ہوتا تھا اس کی دکن کے دور دراز صوبوں میں بھی اتنی ہی قدر ہوتی تھی جتنی اورنگ زیب کے زمانے میں۔"

انگریزوں اور مرہٹوں کی خون ریز جنگیں شروع ہو گئیں مگر یہاں بھی عیاری کے آگے بہادری نہ چلی' مرہٹوں کے یورپین افسروں نے انگریزوں کے کہنے میں آ کر دغا کی اور ان کو شکست ہو گئی (1804ء)۔ تو اب شاہ عالم جو پہلے ہی انگریزوں سے ساز باز کر رہا تھا انگریزوں کی ماتحتی میں آ گیا اور اس کی پنشن مقرر ہو گئی۔ اس کی حکومت مشہور مثل "حکومت شاہ عالم از دہلی تا پالم" کا مصداق تھی بلکہ "تا قلعہ" ہو کر رہ گئی تھی۔ 1806ء میں شاہ عالم کا انتقال ہو گیا۔

اکبر بادشاہ

ایسٹ انڈیا کمپنی اب پورے طور پر ہندوستان کو غصب کر چکی تھی مگر ابھی تک چونکہ وہ ہندوستانی بادشاہوں کی آڑ لے کر حکمرانی کر رہی تھی۔ اس لئے عوام کو غلامی کے اس جوئے کا احساس نہ ہو سکا جو آہستہ آہستہ ان کی گردن میں ڈالا جا چکا تھا۔ انگریزوں نے اب حکومت و سلطنت کے گھمنڈ میں آ کر بادشاہ سے نہایت ذلیل برتاؤ شروع کر دیا تھا۔ خزانہ خالی تھا ملک کی مالی و اخلاقی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی جا رہی تھی۔ خصوصاً مسلمانوں میں تمام مشرکانہ رسمیں اور بدعتیں موجود تھیں' انگریز سیاہ و سفید کا مالک تھا اور ملک کی دولت انگلینڈ کو کھنچی چلی جا رہی تھی مگر منحوس دور میں اور اسی بدنصیب سرزمین پر حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اور حضرت اسماعیل شہیدؒ جیسے پاک باطن بھی موجود تھے جو اس حالت کو بدلنے کی جدوجہد کر رہے تھے۔

بہادر شاہ ظفر

مغلوں کی آخری "کٹھ پتلی" بادشاہ بہادر شاہ 1837ء میں تخت نشین ہوا۔ وہ بھی اپنے سابقہ تخت نشینوں کی طرح بے دست و پا تھا۔ انگریزوں نے اب اور بھی ذلت آمیز برتاؤ شروع کر دیا تھا۔ بادشفاہ کی نظر بند کر دی گئی۔ جھک کر سلام کرنے میں شان گھٹتی نظر آئی۔ بادشاہ کا "فدوی خاص" بننا گوارا نہ ہوا' یہاں تک کہ یہ اعلان کیا گیا کہ مغل خاندان کو بہادر شاہ کے بعد لال قلعے سے نکال دیا جائے گا اور "شاہ" کا لقب بھی ختم ہو جائے گا۔ شاہ عالم نے ایک شعر میں کس حسرت سے کہا ہے:

"آفتاب فلکِ رفعت و شاہی بودیم
برد در شام زوال آہ سیہ کاری ما"

(ترجمہ): ہم شان و شوکت کے آسمان پر سورج کی طرح تھے' مگر آہ! ہماری سیاہ کاریوں نے ہمیں برباد کر ڈالا اور شامِ زوال تک پہنچا دیا۔

چنانچہ 1857ء میں یہ "شام زوال" آ پہنچی اور سلطنت مغلیہ کا بالکل خاتمہ ہو گیا۔ اگر بہادر شاہ کے اندر عالمگیر اور شاہ جہاں جیسی صفات کا شائبہ بھی ہوتا تو شاید تاریخ اپنا رخ بدل دیتی۔

جاری ہے

سیرت النبیؐ کی روشنی میں
اسلامی انقلاب کے مراحل' مدارج اور لوازم
منہج انقلاب نبوی
مجلد 200 روپے غیر مجلد 140 روپے

مروجہ بنکاری ــــــ اور قرون وسطیٰ میں کامیاب مالیاتی نظام

سردار اعوان

(1) پرائیویٹ بنکوں کا کرنسی نوٹ جاری کرنے کا اختیار۔ جس کے نتیجے میں بنکاری ایک صنعت بن گئی ہے۔ (یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ اختیار تمام بنکوں کو حاصل نہیں)

(2) پرائیویٹ بنکوں سے حکومت کا قرض پر روپیہ لینا اور بنکوں کا اس حساب سے نئے نوٹ جاری کرنا۔

(3) بنکوں کو سود کی ادائیگی کے لئے حکومتوں کا ٹیکس لگانے کا اختیار

(4) افراط زر یا کساد بازاری پیدا کر کے قوموں کی دولت لوٹنا۔

(5) جزوی محفوظات Fractional Reserves کا حربہ جس سے سود اور منافع کی آمدنی میں متواتر اضافہ ہوتا رہتا ہے اور پوری دنیا سے سمٹ کر دولت چند ہاتھوں میں جمع ہوتی رہتی ہے۔ مطلب یہ کہ کمرشل بنک اس رقم پر بھی سود اور منافع حاصل کرتے ہیں جو بالفعل ان کے پاس موجود نہیں ہوتی یہ کھیل لگ بھگ تین سو سال پہلے 1694ء میں شروع ہوا تھا اس سے پہلے دنیا میں کبھی ایسا نہیں ہوا۔ جب تک اوپر دیئے گئے پانچوں اختیارات کا خاتمہ نہیں ہوتا۔ دنیا سے ظلم، استحصال، غربت اور جنگوں کا خاتمہ نہیں ہوسکتا۔

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ بد سے بدتر مالیاتی نظام میں بھی وقتی طور پر کچھ نہ کچھ فائدہ عوام کو ضرور ہوتا ہے ورنہ تو ظاہر ہے پوری دنیا کے لوگ ایک دم اٹھ کھڑے ہوں۔ ویسے بھی اگر سرے سے لوگوں کے لئے کسی نظام میں کوئی کشش موجود نہ ہو تو لوگ کام کیسے کریں اور پیداوار کہاں سے ہو۔ محض روپیہ پیسہ اور سونا چاندی تو کام نہیں آتا۔ دولت اس بددیانت نظام میں بھی پیدا ہوتی ہے مگر چکر یہ ہے کہ جو بھی دولت پیدا ہوتی ہے وہ بالآخر ان عالمی ساہوکاروں کی تجوریوں میں پہنچ جاتی ہے اور دنیا میں ظلم، استحصال، جبر اور جنگ و جدل کے لئے استعمال میں لائی جاتی ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ امریکہ ایک جمہوری ملک ہے جبکہ درحقیقت یہاں طبقہ اشرافیہ کی حکمرانی ہے، کم و بیش یہی معاملہ دوسرے نام نہاد جمہوری ممالک کا ہے۔ ذرائع ابلاغ طبقہ اشرافیہ کی موجودگی سے آگاہ ہیں ورنہ 'the elite' 'the social elite' 'the media elite' 'the financial elite' 'the establishement' 'the oligarchies' جیسی اصطلاحات بلاوجہ وضع نہیں کی گئیں، اس کے باوجود میڈیا کا کمال یہ ہے کہ اصل حقائق تک عوام کی رسائی ناممکن بنادی گئی ہے۔ بنیادی طور پر aristocracy یعنی اشرافیہ کی حکومت، جس کے معنی بہترین طبقہ کی حکومت ہے، کا تصور غلط نہیں، بلکہ کسی حکومت میں سب سے ذہین اور باصلاحیت افراد کا ہونا عین مطلوب ہے، مگر ذہانت اور صلاحیت کا کسی ایک طبقہ کے ساتھ مخصوص ہوجانا ناانصافی ہے۔ طبقہ اشرافیہ پہلے بھی ہوتا تھا اور لگان کی شکل میں اپنا حصہ وصول بھی کرتا تھا۔ مگر جس منظم طریقہ سے سرمایہ داروں پر مشتمل نئے طبقہ اشرافیہ نے دنیا بھر کی دولت سمیٹنے پر اجارہ داری قائم کر لی ہے اس کی مثال پوری تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔ قطع نظر اس کے کہ کس کی حکومت ہے، کس کی نہیں اور اس کی ظاہری شکل کیا ہے؟ پوری دنیا کی حکومتیں اس نئے طبقہ اشرافیہ کے زیر نگیں ہیں جو پس پردہ رہ کر دولت کے بل بوتے پر پوری دنیا کے سیاہ و سفید کا مالک بن گیا ہے۔ بہ ظاہر اس طبقہ کے مختلف اجزاء مثلاً بنک، میڈیا اور دوسرے ادارے ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے میں مصروف دکھائی دیتے ہیں، مگر یہ سب عوام کو دھوکہ دینے کے لئے ہوتا ہے کیونکہ ان کی اپنی الگ کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ اصل فیصلے کہیں اور ہوتے ہیں۔ تین گروہ ہیں جو پس پردہ رہ کر فیصلے کرتے اور ان پر عمل درآمد کراتے ہیں۔ (1) Council on Foriegn Relations (CFR) یعنی بیرونی تعلقات کی کونسل (2) Trilateral Commission (TC) یعنی سہ فریقی کمیشن اور (3) The Bilderbergers (تفصیل مذکورہ کتاب میں ملاحظہ کریں)

ان میں قدر مشترک ہے (1) اپنی مراعات کو قائم و دائم رکھنا (2) اقوام متحدہ کے ذریعہ اپنی خفیہ عالمی حکمرانی اور (3) مزید سے مزید تر منفعت، طاقت اور بالادستی کا حصول۔

قرضوں پر مبنی روپیہ، جو آج پوری دنیا میں رائج ہے، روپیہ کی بدترین شکل ہے کیونکہ یہ ایسا آلہ ہے جو دولت کو، جہاں بھی وہ دنیا میں موجود ہو، کھینچ لیتا ہے۔ اس مقصد کے لئے طاقت کے استعمال سے بھی گریز نہیں کیا جاتا۔ (دیکھئے کتابچہ "قرضوں کی جنگ") روپیہ پیسہ کا استعمال پہلے بھی ہوتا تھا مگر صرف کاروباری لین دین کا ذریعہ تھے مگر 15 ویں اور 16 ویں صدی میں سوداگروں اور بنکاروں کے زیر اثر جب روپیہ کو سونا کے ساتھ بطور خاص منسلک کر دیا گیا تو موجودہ استحصالی نظام کی بنیاد پڑی۔ قرون وسطیٰ میں کامیاب مالیاتی نظام کی بنیاد پڑی۔

قرون وسطیٰ میں کامیاب مالیاتی نظام کا تجربہ

وہ روپیہ پیسہ جس کی بنیاد قرضوں پر نہ ہو، حقیقی، قابلِ عمل اور دھوکہ سے پاک ہوتا ہے اس سے چونکہ مصنوعی طور پر افراط زر یا کساد بازاری پیدا نہیں کی جاسکتی اس لئے عوام کو اس کے استعمال میں کسی قسم کی پریشانی لاحق نہیں ہوتی، پہلی مرتبہ وینس کی شہری ریاست نے 1711ء میں بنک آف وینس قائم کر کے سرکاری طور پر جو سکہ جاری کیا وہ کسی شے سے منسلک نہ تھا، نہ حکومت اس کے بدلے کوئی شے فراہم کرنے کی پابند تھی۔ صرف یہ تھا کہ حکومت اپنے واجبات کی وصولی میں اسے قبول کرنے کی پابند تھی۔ چنانچہ اس کے استعمال میں کسی قسم کی دشواری پیش نہیں آئی بلکہ کاروبار میں اضافہ ہوا۔ مذکورہ بنکاری نظام کی اہم خصوصیات یہ تھیں۔

1۔ حکومت خود سکہ جاری کرتی اور خود ہی اس کی مقدار اور قدر Value معین کرتی۔

2۔ چونکہ ان کی قدر معین تھی لہٰذا انہیں دولت کی حیثیت حاصل تھی۔

3۔ چونکہ ایسی کوئی شے تھی ہی نہیں، جو اس کا نعم البدل ہوتی اور جس پر اجارہ داری حاصل کی جاسکتی، لہٰذا سٹہ بازی کا امکان نہ رہا۔

4۔ حکومت کسی نجی بنک کی مقروض نہ تھی۔

5۔ حکومت ٹیکسوں اور دیگر واجبات کی وصولی کے لئے انہیں قبول کرتی تھی جس سے انہیں قانونی حیثیت حاصل تھی۔

6۔ شروع میں بنک جمع کھاتوں پر کچھ سود ادا کرتا رہا لیکن

1423ء میں اسے یکسر ختم کر دیا گیا۔ چونکہ روپیہ مستحکم تھا لہٰذا کسی کو تشویش لاحق نہیں ہوئی کیونکہ لوگوں کی اصل دولت بنک میں محفوظ تھی جو تبادلہ کا بہترین ذریعہ تھی' یہ نظام صدیوں تک کامیابی سے چلتا رہا' ایسی حالیہ مثالیں بھی موجود ہیں' گو ان کا دورانیہ زیادہ طویل نہیں ہو سکا۔

اس لئے کہ اب پوری دنیا میں ''عالمگیر جاگیرداروں کی حکمرانی ہے اور وہ ایسی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہونے دیتے جس سے ان کی گرفت کمزور پڑنے کا خدشہ ہو۔ جہاں بھی ایسی کوئی کوشش ہوتی ہے وہ فوراً اس کا قلع قمع کر دیتے ہیں۔ انہوں نے کسی ملک کے لئے جو کچھ طے کیا ہوتا ہے اس سے زائد کی اجازت نہیں دیتے۔ اگر آپ ابھی تک IMF اور ورلڈ بنک کی طاقت اور جبر سے ناواقف ہیں تو مہربانی کر کے آنکھیں کھولئے اور دیکھئے کہ آپ ان کے غلام ہیں۔

The State of Guernsey

Guernsey فرانس کے ساحل سے ذرا ہٹ کر ایک جزیرہ ہے جس کا رقبہ 25 مربع میل سے زیادہ نہیں۔ اس کا ذریعہ آمدنی برطانیہ اور فرانس کے درمیان میں پہلی جنگ عظیم کے دوران قابض فوج کی موجودگی تھی۔ جزیرہ کی اپنی حکومت اور پارلیمنٹ تھی۔ جب جنگ ختم ہوئی تو یہاں کی آبادی چھ سے سات ہزار کے درمیان تھی اور بنک آف انگلینڈ کا جاری کردہ سکہ رائج تھا لیکن جنگ کے بعد برطانیہ نے اسے خالی کر دیا تو بنک آف انگلینڈ کے نوٹ آنے بند ہو گئے۔ جزیرہ میں قدرتی وسائل کی کمی نہیں تھی مگر روپیہ نہیں تھا۔ جس سے روزمرہ کا لین دین ہو سکے۔ چنانچہ وہاں کی پارلیمنٹ نے فوری ضروریات کا تخمینہ لگوا کر اپنی مالیت کے کرنسی نوٹ اس شرط پر جاری کر دیئے کہ 2 سال کے بعد ضرورت محسوس ہوئی تو انہیں منسوخ کر دیا جائے گا مگر اس دوران وہاں کی حکومت اور عوام کو کسی قسم کی دشواری پیش نہیں آئی۔ بلکہ خاصی خوشحالی دیکھنے میں آئی۔ بعد میں اگرچہ بیرونی بنکوں نے وہاں اپنی شاخیں قائم کر لیں لیکن حکومت نے کرنسی کا کنٹرول اپنے ہاتھ میں رکھا جس کی وجہ سے لوگ خوشحال اور پُرامن زندگی بسر کر رہے ہیں۔

سنگاپور کا کارنامہ

سنگاپور کا کل رقبہ Guernsey کے مقابلہ میں دس گنا ہے۔ یہ جنوبی جزیرہ نما ملائے کے ساحل سے آگے ایک بڑے اور 57 چھوٹے جزیروں پر مشتمل ہے جو ایک ابھرے ہوئے راستہ Causeway کے ذریعہ جزیرہ نما ملائے کے ساتھ منسلک ہے۔ 9 اگست 1965ء کو یہ جزیرہ آزاد ہوا تو صورت حال یہ تھی کہ قدرتی وسائل ناپید تھے۔ جرائم کی بھرمار تھی۔ خفیہ جرائم پیشہ گروہ طاقت کے مالک تھے۔ جسم فروشی اور منشیات کا کاروبار عروج پر تھا۔ غربت اور پس ماندگی عام تھی لیکن سولہ سال بعد 1987ء میں سکالر ڈاکٹر مارٹن اے لارسن سنگاپور صرف یہ دیکھنے آئے کہ اتنے کم عرصہ میں وہاں حیرت انگیز معاشی انقلاب کیونکر رونما ہوا۔ انہوں نے وہاں آ کر ایک جدید تہذیب دیکھی جس میں تمام سہولتیں موجود ہیں...... ہر ایک کے پاس رہنے کو اچھا مکان ہے۔ ریٹائرمنٹ پر معقول پنشن کا انتظام ہے' نئی نسل کے لئے تعلیم مفت ہے۔ خاص بات یہ تھی کہ پبلک ویلفیئر یعنی کفالت عامہ نہ ہونے کے برابر تھی' 25 لاکھ میں سے صرف بارہ ہزار سرکاری سرپرستی کے حقدار تھے۔

1994ء کے ایک جائزہ کی رو سے آزادی کے بعد تیس سال کے عرصہ میں سنگاپور ایک ملیریا زدہ خستہ حال کالونی کی جگہ جنوب مشرقی ایشیا کا خوبصورت ترین علاقہ بن کر ابھرا ہے۔ فی کس آمدنی کے لحاظ سے ایشیا میں یہ جاپان کے بعد دوسرے نمبر پر ہے۔ ملک کی 84 فیصد آبادی کے پاس اپنا گھر ہے اور نصف سے زائد آبادی حصص Stocks کی مالک ہے۔ کاکس نیوز سروس کی رپورٹ کے مطابق سنگاپور دنیا کا محفوظ ترین شہر ہے اور یہاں کے باشندے نہایت خوشحال زندگی بسر کر رہے ہیں۔ مگر میڈیا میں آپ کو ان چیزوں کا کم ہی تذکرہ ملے گا' بلکہ اس کے برعکس منفی طور پر وہاں ہر شے پر حکومتی کنٹرول کی بات کی جاتی ہے کیونکہ عالمی جاگیردار اسے قرضوں پر مبنی معیشت اور بنکاری نظام کے لئے خطرہ تصور کرتے ہیں۔

ڈاکٹر لارسن نے بتایا کہ سنگاپور کی خوشحالی کا سبب یہ ہے کہ:

1) سنگاپور میں جزوی محفوظ رقم Fractional reserve بنکنگ کا نظام نہیں۔

2) تمام کرنسی حکومت جاری کرتی ہے جس کا تبادلہ اشیاء یا بانڈز سے کیا جا سکتا ہے لیکن اس کے غلط استعمال کو حکومت سختی سے کنٹرول کرتی ہے۔

3) مالیاتی پالیسیاں سنٹرل بنک کی بجائے حکومت طے کرتی ہے۔

4) حکومت کے ذمہ کوئی قرض نہیں' نہ اسے سود ادا کرنا پڑتا ہے۔

5) بانڈز رکھنے والوں کو فراخ دلانہ سود ادا کیا جاتا ہے۔

6) خسارہ کی سرمایہ کاری ممنوع ہے۔

7) ریٹائرمنٹ پر ملنے والی رقوم ترقیاتی کاموں میں لگائی جاتی ہیں۔

8) روپیہ قطعی طور پر قرضوں سے پاک ہے۔

سنگاپور میں رائج مالیاتی نظام کہیں بھی اپنا کر مذکورہ فوائد حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ عالمی جاگیردار یہ کہہ کر اس نظام کی اہمیت کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ایک چھوٹے ملک میں اس طرح کا تجربہ کامیاب ہو جانا غیر معمولی بات نہیں' مگر کسی بڑے صنعتی ملک میں یہ تجربہ کامیاب نہیں ہو سکتا حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ چھوٹے پیمانے پر کامیاب تجربہ بڑے پیمانے پر اسی نسبت سے بڑی کامیابی کا باعث بنتا ہے۔

حکمت و احکامِ جمعہ VCD

فضیلتِ جمعہ' احکامِ جمعہ اور مسائلِ جمعہ

مقرر: **ڈاکٹر اسرار احمد**

(بانی تنظیم اسلامی)

اب ایک سی ڈی میں دستیاب ہے

قیمت فی سی ڈی = /40 روپے

ملنے کا پتہ: **مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن**

36 کے ماڈل ٹاؤن' لاہور۔ فون: 03-5869501

www.tanzeem.org e-mail: info@tanzeem.org

معاشرتی زندگی کا پہلا گوشہ

تحریر: جناب رحمت اللہ بٹر، ناظم دعوت، تنظیم اسلامی، پاکستان

دین اسلام کے اجتماعی نظام میں سب سے اولین، قدیم ترین اور اہم ترین گوشہ ہماری معاشرتی زندگی ہے۔ اس دنیا میں جن تعلقات میں انسان کو جوڑ دیا ہے وہ خاندانی تعلقات ہیں جس سے معاشرے کی بنیادی اکائی وجود میں آتی ہے۔ اگر اس اجتماعیت کو صحیح طریق پر ڈال دیا جائے تو تمدن اور معاشرہ مثالی بن جاتا ہے۔ اگر یہیں بگاڑ پیدا ہو جائے تو پھر تمام شہری زندگی میں فساد برپا ہو جاتا ہے۔ اسلام ان قدروں کو معاشرہ میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔

1۔ چونکہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اس لئے نسل، رنگ، زبان، پیشے اور جنس کی بنیاد پر نہ کوئی اونچا ہے نہ نیچا بلکہ عزت و شرافت کا معیار صرف تقویٰ اور پرہیزگاری ہوں گے۔

مساوات انسانیت

﴿یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ط اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ﴾ (الحجرات : 23)

"اے انسانو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں کنبے اور قبیلے بنا دیا ہے تاکہ آپس میں پہچان کر سکو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔"

کل مومن اخوۃ اندر دلش
حریت سرمایہ آب و گلش

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ بے شک تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

2۔ پردے کے شرعی احکام نافذ کر کے خواتین کی عزت و وقار کی پوری حفاظت کی جائے۔ اسلام کے خاندانی نظام کے تحت خواتین کو معاشی کفالت کی پوری ضمانت ہوتا کہ وہ پوری یکسوئی کے ساتھ آئندہ نسل کی بہترین تربیت کر سکیں۔ مرد پر حال کی ذمہ داری اور عورت کی ذمہ داری بقائے نسل اور اس کی تربیت قرار پائے۔

بتول باش پنہاں شو ازیں عصر
در آغوش تو شبیر بگیری

عصر حاضر کے تقاضاؤں سے ہے یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرع پیغمبر کہیں
الحذر آئین پیغمبر سے سو بار الحذر
حافظ ناموس زن مرد آزما مرد آفرین

ستر: مرد کے لئے ناف سے لے کر گھٹنوں تک۔
عورت کے لئے پورا جسم سوائے چہرہ، ہاتھ اور پاؤں کے۔

حجاب: چہرہ کو چھپانا سوائے آنکھوں کے۔ چادر/برقعہ کے ذریعے۔

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِھِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَھُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَھُنَّ اِلَّا مَا ظَھَرَ مِنْھَا﴾ (النور)

"فرما دیجئے مومن عورتوں سے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور نہ ظاہر کریں اپنی زینت مگر وہی جو اس میں سے کھلا رہتا ہے۔"

﴿یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ وَبَنٰتِکَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِھِنَّ﴾ (الاحزاب)

"اے نبی ﷺ فرما دیجئے اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہ وہ (سر سے) نیچے کر لیا کریں اپنی چادر کا پلو۔"

3۔ خواتین کو ملکیت اور وراثت کے اسلامی حقوق حاصل ہوں۔ نیز انہیں تعلیم، صحت اور گھریلو صنعتوں کے میدان میں پردے اور ستر کے احکامات کو مدنظر رکھ کر اپنی صلاحیتیں بروئے کار لانے کی پوری آزادی ہو بلکہ ان کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ اداروں میں صرف عورتیں کام کریں گی اور عورتیں نگران ہوں۔ گھریلو انڈسٹری کو رواج دیا جائے۔

4۔ اسلامی سزاؤں کے نفاذ سے بدامنی کا مکمل خاتمہ ہو جائے۔ قتل، چوری اور ڈاکے کے علاوہ زنا اور تہمت زنا کی بھی جڑ کٹ جائے۔

نمائش اور بے حیائی کی روک تھام کی جائے۔

﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَھَرَ مِنْھَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ﴾ (الاعراف 33)

فرما دیجئے بے شک میرے رب نے بے حیائی کو حرام قرار دیا ہے خواہ ظاہر ہو یا چھپی ہوئی اور گناہ اور ناحق ظلم کو۔

﴿اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْھِمْ وَاَرْجُلُھُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ط ذٰلِکَ لَھُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ o﴾ (المائدہ : 33)

بے شک جو لڑائی کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور زمین میں فساد کے لئے دوڑ دھوپ کرتے ہیں۔ ان کی سزا یہ ہے کہ ان کے ٹکڑے کر دیئے جائیں یا ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں مخالف سمت سے یا ان کو جلاوطن کر دیا جائے۔ یہ ان کے لئے دنیا کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔

قذف کی سزا

﴿وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَۃِ شُھَدَآءَ فَاجْلِدُوْھُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَۃً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَھُمْ شَھَادَۃً اَبَدًا﴾ (النور)

جو لوگ زنا کی تہمت لگائیں پاک دامن عورتوں پر پھر وہ چار گواہ نہ لائیں تو ان کو اسی درے لگاؤ اور ان کی گواہی کبھی بھی قبول نہ کرو۔

5۔ سماجی برائیوں جیسے رشوت، فضول خرچی، نمود و نمائش کے لئے بے تحاشا دولت ضائع کرنے اور شادی بیاہ کے ہندوانہ رسموں کا خاتمہ ہو جائے۔

یہ اگرچہ اخلاقی تعلیم ہے لیکن اس کے لئے بھی قانون سازی ہو سکتی ہے، مکانوں پر پابندی، ہندوانہ رسومات پر پابندی، جہیز پر پابندی وغیرہ۔ سنتِ رسول ﷺ اور سنتِ صحابہؓ کے مطابق تعامل سے۔

6۔ مفت اور جلد از جلد انصاف مہیا ہو اور جھوٹی گواہی کا خاتمہ ہو جائے۔ دیوانی معاملات میں فیس، وکلاء کا رول اور ان کی فیسوں کا معاملہ ایسے طریقہ سے طے پائے کہ انصاف خریدنا نہ پڑے، بلکہ جلد از جلد ملے۔

7۔ سب کے لئے ایک ہی جیسا نظام تعلیم ہو۔ امراء کے لئے نظام تعلیم اور ..... اور غرباء کے لئے اور، یہ تعلیم میں شرک ہے جو ختم کرنا ہوگا۔ اس میں قدیم اور جدید ...... دینی اور دنیاوی کی کوئی تقسیم نہ ہو۔ میٹرک کی حد تک لازمی تعلیم مفت ہو۔ جیسے ناروے کی مثال ہے، سعودی عرب کی مثال ہے کہ وہاں نظام تعلیم ایک ہے اور میٹرک تک تعلیم بھی مفت ہے۔

ہماری نمازیں اور روزے بے اثر کیوں ہیں؟

فرید اللہ خان مروت

آج مسلمانوں کی ایک کثیر جماعت نمازیں بھی پڑھتی ہے، روزے بھی رکھتی ہے، زکوٰۃ بھی دیتی ہے، حج بھی ادا کرتی ہے اور دوسرے نیک اعمال بھی کرتی ہے۔ تو ان اعمال کا وہ اثر اور نتیجہ کیوں نہیں ہوتا جو عہد نبوی ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانے میں ہوتا تھا۔ چند مثالوں سے وضاحت کرنے کی کوشش کرتا ہوں شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات۔

(1) سخت سردی کا موسم تھا۔ عارف کی بیوی اپنی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں بھوک کے ستائے ہوئے اپنے بچوں کے ساتھ بیٹھی ہے۔ مسلسل فاقوں نے اس کے چہرے کی شگفتگی و شادابی کو افسردگی اور پژمردگی میں بدل دیا تھا۔ اپنے بچوں سمیت چولہے کے پاس بیٹھ کر خشک ٹہنیوں اور سوکھے پتوں کو سلگا دیا تاکہ بچے آگ تاپ کر سردی سے محفوظ رہیں۔ لیکن بچوں کو سردی سے زیادہ بھوک ستا رہی تھی۔ اپنے بچوں کے معصوم تقاضوں سے مجبور ہو کر ایک دیگچی میں خالی پانی چولہے پر چڑھا دیا اور بچوں کو نہیں، خود اپنے آپ کو فریب دے رہی تھی۔ ہر آہٹ پر کان لگائے گلی کی طرف حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اتنے میں اس کا خاوند پھٹے پرانے کپڑوں کے ساتھ گھر میں داخل ہوا۔ چہرے پر زردی اور ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہوئی۔ آتے ہی دونوں بچے اس کی گرد آلود پنڈلیوں سے لپٹ گئے۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا کہ مجھے آج بھی دردر کی خاک چھاننے کے باوجود کوئی کام نہیں ملا۔

عین اس وقت سامنے کی مسجد میں چوہدری صاحب کی طرف سے دس ہزار روپے کا قالین بچھایا جا رہا تھا اور نمازی اسلام کی عظمت اور خدمت پر بات چیت کر رہے تھے اور چوہدری صاحب کو جنت کی بشارتیں دے رہے تھے۔

(2) عمر ایک نہایت قابل اور شریف بچہ تھا لیکن یتیم تھا۔ ماں دن بھر محنت مزدوری کر کے اپنے بچے کی نگہداشت کرتی لیکن جب مزدوری مردوں کو نہ ملے تو وہاں عورتوں کو کون پوچھتا ہے! صبح سکول جاتے ہوئے ماں نے بچے کو چھاتی سے لگایا آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔ بیٹے کو تسلی دے کر رخصت کیا کہ سکول سے واپسی پر کھانا تیار ملے گا۔ جاؤ بیٹا خدا حافظ! ذرا اس ماں کے دل کی گہرائی میں اتر کر دیکھو کہ بیٹے کو یوں بھوکا سکول بھیجتے وقت اس کے سینے میں کس قیامت کے جذبات کا طوفان برپا ہوگا۔ وہ غربت و افلاس کا مجسمہ خاموشی سے سکول چلا گیا۔ چھٹی کے بعد گھر آیا تو ماں گھر پر نہ تھی شاید دانستہ باہر چلی گئی ہو کہ بھوکے بیٹے کو کس طرح دیکھ سکے۔ بچے نے سب سے پہلے روٹی کا رومال کھولا لیکن کچھ نہ ملا۔ خاموشی سے باہر چلا گیا۔ گلی میں سے گزر رہا تھا تو سامنے سیٹھ صاحب کی کوٹھی میں سینکڑوں مسلمانوں کا اجتماع تھا۔ قسم قسم کے پھل، مٹھائیاں میزوں پر چنی رکھی تھیں کہ آج سیٹھ صاحب کے بچے کی پہلی افطاری کی تقریب تھی۔ یہ دو وقت کا بھوکا یتیم انہیں حسرت سے دیکھتا ہی رہا۔

(3) ایک بڑھیا غم سے پاگل ہو رہی تھی اس کا ایک نوجوان بیٹا تھا۔ اس نوجوان کا باپ ایک کوٹھی کی تعمیر کے دوران مزدوری کرتے ہوئے چھت سے گر کر مر گیا تھا۔ کوٹھی کے مالک نے تو دوسرے دن اور مزدور رکھ لیا لیکن اس بیچاری کا گھر اجڑ گیا۔ ماں نے بڑی مشقت سے اپنے بیٹے کو پالا تھا۔ وہ لڑکا یرقان کا مریض بن گیا۔ اب بڑھیا نے محلے کے ایک ایک دروازے پر جا کر لوگوں کی منتیں کی کہ کہیں سے کچھ رقم قرض مل جائے لیکن بے سود۔ اس کا جوان بیٹا بیچارا اس کی آنکھوں کے سامنے تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ یہ ان دنوں کا واقعہ ہے جس دن حاجیوں کی پہلی فلائیٹ جا رہی تھی اور ایئرپورٹ پر سینکڑوں روپوں کے پھول بکھرے پڑے تھے ذرا اپنے گردوپیش کا جائزہ لیجئے کہ اس قسم کے کتنے واقعات ہماری آنکھوں کے سامنے رونما ہوتے ہیں۔ جس معاشرے کا یہ حال ہو تو اس کے متعلق یہ سوال کہ ان کے "اعمال حسنہ" کے وہ نتائج کیوں نہیں ہیں جو ہونے چاہئے تھے کچھ تعجب انگیز نہیں۔

اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے۔ اسلام جو کہ مذہب نہیں دین ہے، ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے جو تمام نوع انسانی کی پرورش کا ذمہ لے۔ انسان اس کائنات کی مشینری کا ایک اہم اور کار آمد پرزہ ہے اگر ہر پرزہ اپنی اپنی جگہ پر درست ہو تو پوری مشینری صحیح چلے گی۔ لیکن اگر کوئی پرزہ اپنی جگہ سے اِدھر اُدھر ہو جائے تو پوری مشینری بے کار ہو جائے گی۔

آج ہماری مشینری بے کار ہے۔ مسلمانوں کے سب اعمال اور عقائد پر عملاً رہبانیت کا اثر ہے۔ آپ غور سے قرآن حکیم کا مطالعہ کریں تو آپ پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ کسی قوم پر ذلت و مسکنت اور افلاس کا چھا جانا اور پھر اس قوم کا اس حالت پر مطمئن ہو جانا خدا کا غضب ہے کیا ایک مغضوب علیہ قوم محض بے روح نمازوں اور رسمی روزوں کے بل بوتے پر منعم علیہ قرار دی جا سکتی ہے؟

جب اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ ایمان اور اعمال صالح کے نتیجے میں استخلاف فی الارض کی زندگی عطا کرے گا۔ تو ظاہر ہے کہ جس ایمان و عمل کا نتیجہ شوکت و عظمت اور خلافت نہیں وہ ایمان، ایمان اور وہ عمل، عمل صالح نہیں ہو سکتا کیونکہ مومن کو ہر حال میں غالب رہنا ہے نہ کہ مغلوب۔ کیونکہ اللہ کے وعدے تو ہر حال میں سچے ہیں اور اس کا قانون اٹل ہے۔ ذرا انسانیت کے معراج کبریٰ یعنی دور رسالت کی تاریخ پر نگاہ دوڑائیں یہی صلوٰۃ، روزہ، زکوٰۃ اور حج ہی تو تھا جس نے چند سال کے عرصے میں نہ صرف اس قوم کی اخلاقی، تمدنی اور معاشرتی حالت تبدیل کر دی بلکہ ان کی معاشی اور اقتصادی زندگی کی بھی کایا پلٹ دی اور کھجوروں کے ستو اور جو کی روٹی کھا کر گزارہ کرنے والی قوم، قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کی وارث بن گئی۔ ان ہی سیدھے سادے اعمال نے ان کے اندر وہ انقلاب پیدا کر دیا جو ایک مرد مومن کی نگاہ میں تقدیریں بدل دینے والی قوت پیدا کر دیتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی اعمال کا مقصد صرف اسی دنیا کی فلاح و کامیابی اور غلبہ و تسلط نہیں۔ اگر ایسا ہو تو پھر خدا کی بادشاہت اور فرعون کی حکومت میں کیا فرق ہوا۔ اسلامی اعمال کا لازمی اور فطری نتیجہ اس دنیا میں حکومت و سطوت اور شوکت و عظمت کی زندگی بھی ہے اور اس کے بعد کی دنیا میں سرخروئی، سرفرازی اور آبرومندی کی زندگی بھی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو راہ راست پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

امریکی فوج حیران تھی

سعودی عرب میں اتنا امن وامان کیسے قائم ہے؟

امریکی نومسلم بلال فلپس کے خیالات

اللہ نے براعظم شمالی امریکہ کے انتہائی شمال میں جو خطہ پیدا فرمایا ہے اس کے ایک چھوٹے سے علاقے میں جب ایک یورپی جیکس کارٹیئر پہنچا تو اس نے اس علاقے کا نام ''کاناٹا'' رکھا۔ بعد میں اسی نام پر اس ملک کو کینیڈا کا نام دے دیا گیا۔ یہ اتنا بڑا ملک ہے کہ اس کی چوڑائی بحراوقیانوس سے بحر کاہل تک سات ہزار کلومیٹر ہے جبکہ آبادی صرف تین کروڑ ہے۔

تین کروڑ باشندوں میں سے ایک کالا شہری جس کے آباؤ اجداد کو یورپ کے گورے غلام بنا کر افریقہ سے یہاں لائے تھے وہ اسلام قبول کر لیتا ہے۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے وہ کمیونسٹ تھا۔ کمیونزم افغان جہادی تھپیڑے سے تباہ ہوا تو وہ مذہب کی طرف مائل ہوا اور بالآخر اس نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا اس کے بعد وہ تبلیغی جماعت کے سنٹر میں گیا۔ لندن میں ان کے ساتھ مل کر دعوت دیتا رہا لیکن اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ طالب علم بن کر باقاعدہ دینی تعلیم حاصل کرے چنانچہ یہ نوجوان سعودی عرب میں پہنچ گیا وہاں مدینہ یونیورسٹی میں داخل ہوا۔ دو سال تک عربی زبان کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد چار سال باقاعدہ تعلیم حاصل کر کے فارغ ہوا۔ یہاں موجودہ دور کے امام بخاری' امام ناصر الدین البانی اور شیخ ابن باز رحمہما اللہ کے دروس میں شامل ہوتا رہا پھر ریاض میں شاہ سعود یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور ایم اے کی سند حاصل کی۔ پھر یہ نوجوان استاد بن کر ''منارات الریاض'' کے مدارس میں تعلیم دیتا رہا — آخر کار وہ واپس کینیڈا پلٹا تو وہاں کتاب وسنت کی اساس پر دعوت پھیلانے لگ گیا۔ اس کی دعوت پر بہت سے لوگوں نے اسلام کے دامنِ رحمت میں پناہ لی۔

قارئین کرام! اس سیاہ فام نوجوان کا نام بلال ہے۔ جواب بہت بڑا عالم دین' مبلغ' داعی' کئی کتابوں کا مصنف ہے۔ جی ہاں! انہوں نے اپنے نام کے ساتھ فلپس لگا رکھا ہے۔ یہ اب فضیلۃ الشیخ بلال فلپس ہیں۔ وہ دبئی میں ایک صحافی جناب محمود خلیل کو انٹرویو دیتے ہوئے بتلاتے ہیں کہ:

جب پہلی خلیجی جنگ میں امریکی فوج سعودی' کویت اور گلف کے ملکوں میں آئی تو جنگ کے بعد امریکی فوج جو سعودیہ میں مقیم تھی وہاں ان کے کیمپوں میں ''سعودی ثقافتی معلومات کے خیمہ'' کے عنوان سے مراکز قائم کئے گئے۔ اب ان مراکز میں ایسے لوگوں کی ضرورت تھی جو انگریزی جانتے ہوں چنانچہ مجھ سے رابطہ کیا گیا اور پھر میں نے ان خیموں کے ذریعہ امریکی افواج میں خطابات اور ان کے سوالوں کے جوابات کا سلسلہ شروع کیا۔ ہمارے اس سلسلے کو خود امریکی فوج کے افسروں نے سراہا بلکہ ہمیں خطابات کی دعوت دیتے رہے۔ اس کوشش کے ضمن میں پہلی بار گیارہ امریکی فوجیوں نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا۔ اس اعلان کے بعد وہ امریکی پادری جو امریکہ کی فوج کے ساتھ آئے تھے بڑا سٹپٹائے۔ انہوں نے ہمارے خیمہ کو ''قبولیت اسلام کا خیمہ'' قرار دیا اور اسے بند کرنے کی کوشش کی لیکن اللہ کے فضل سے یہ بند نہ ہو سکا اور دعوتی کام جاری رہا حتی کہ صورتحال یہ ہو گئی کہ اسلام قبول کرنے والے امریکی فوجیوں کی تعداد روزانہ پندرہ سے بیس تک پہنچ گئی۔ انگریزی ترجمے والے قرآن کی ڈیمانڈ میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور ہم یہ ڈیمانڈ پوری کرتے چلے گئے۔

بلال فلپس بتاتے ہیں کہ ہم نے یہ دعوتی کام چوبیس گھنٹے جاری رکھا اور اس کے لئے الگ الگ دعوتی ٹیمیں بنا دیں جو مختلف اوقات میں باری باری دن رات سرگرم رہتی تھیں۔ میرا طریقہ یہ تھا کہ میں امریکی سوچ اور ذہنی اپروچ کے مطابق عقلی اور سائنسی انداز سے گفتگو کا آغاز کرتا۔ اس پر قرآن وحدیث کے حوالے شروع کر دیتا۔ آخر میں ان کے ہر طرح کے سوالات کے جوابات دیتا۔ یوں اس انداز کے ساتھ ہم اپنے مقصد کی طرف بڑی تیزی کے ساتھ بڑھتے چلے گئے۔

امریکہ کے فوجی جس چیز سے سب سے زیادہ متاثر تھے وہ سعودی عرب میں امن وامان کا بے مثال مظاہرہ تھا۔ وہ جب سعودی عرب میں امن کا تقابل اپنے ملک کی بدامنی اور قتل وغارت سے کرتے تو حیران رہ جاتے' میں انہیں بتلاتا کہ یہ سب نعمت شریعت کے قوانین کی وجہ سے ہے۔ اسی طرح ہم نے امریکی فوجیوں کے گروپوں کو ان جگہوں پر لے جاتے جہاں سعودی لوگ اپنی فیملیوں کے ہمراہ ریگستان میں وقت گزارتے ہیں۔ وہاں ہم ان امریکیوں کی گفتگو خاندان کے سربراہ اور بچوں سے کراتے۔ یہ ان کے کھانوں اور غیرت وحمیت والی تہذیب کو دیکھتے۔ باپردہ خواتین کو دیکھتے تو بڑے متاثر ہوئے اور جب مغرب اور عشاء کی نماز کا وقت ہوتا تو صحرا کی خاموشیوں میں قرآن کی تلاوت اور نماز کا انداز عجب سماں پیدا کر دیتا۔ ان مواقع پر بہت سے امریکی وہاں کھڑے کھڑے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیتے۔

جن دعوتی ٹیموں کا میں ذمہ دار تھا اس کے تحت ہمارے ہاتھ پر تین ہزار امریکیوں نے اسلام قبول کیا۔ اس میں زیادہ تعداد نوجوانوں کی تھی اور ایسے نوجوانوں کی جنہوں نے زندگی میں کبھی اسلام کا نام تک نہیں سنا تھا۔

میں نے خیبر' تبوک اور ظہران میں ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ میرا ان سے رابطہ رہا جب وہ امریکہ واپس بھی چلے گئے۔ اس وقت میرے شب وروز جو گزر رہے ہیں تو وہ اس طرح کہ میں نے دبئی میں اسلامک سنٹر کھول رکھا ہے۔ چونکہ یہ دنیا کا تجارتی مرکز ہے لہٰذا میں نے یہاں ڈیرے لگا کر ہزار ہا لوگوں کو مسلمان کیا ہے جن کا تعلق دنیا کے مختلف ملکوں سے ہے۔ میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ میرے باپ مسلمان ہو جائیں۔ بحمد اللہ 22 سال بعد وہ بھی مسلمان ہو گئے۔

❀

پریس ریلیز

مولانا شاہ احمد نورانی کا سانحہ ارتحال

مولانا شاہ احمد نورانی کا انتقال بلاشبہ ایک قومی اور ملی سانحہ ہے۔ ایک عالم باعمل ہونے کے ساتھ ساتھ مرحوم کی سیاسی بصیرت کا ایک زمانہ معترف تھا۔ ایم ایم اے میں شامل مختلف دینی سیاسی جماعتوں کے باہم متحد رہنے اور رکھنے میں مولانا شاہ احمد نورانی کی شخصیت' بزرگی اور سیاسی سوجھ بوجھ کا بھی عمل دخل تھا۔

مولانا شاہ احمد نورانی کی وفات پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے بانی تنظیم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے مزید کہا کہ اللہ کی کتاب کے ساتھ ان کی وابستگی کا عالم یہ تھا انہوں نے اس پیرانہ سالی کے باوجود رمضان المبارک کے دوران نماز تراویح میں قرآن سنانے کا سلسلہ آخری وقت تک جاری رکھا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مرحوم کی بشری لغزشوں سے درگزر کرتے ہوئے انہیں جوارِ رحمت سے نوازے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین!

(ڈاکٹر عبدالخالق' ناظم نشر واشاعت' تنظیم اسلامی)

شہر بہ شہر قصبہ بہ قصبہ ''تنظیم اسلامی'' کی سرگرمیاں اور اطلاعات

تفریغ اوقات

تفریغ اوقات کے سلسلہ میں الحمدللہ پوری تنظیم سے رفقاء کے خطوط آ رہے ہیں۔ جن میں پوری زندگی کے ایثار سے لے کر ہر ماہ تین روز ہفت روزہ لگانے والوں کی تعداد زیادہ ہے۔

وہ افراد جو رضا کارانہ اپنا وقت تنظیم کو دیتے ہیں ان کے وقت کو ان کی صلاحیت کو مدنظر رکھتے ہوئے انتظامی امور' دعوتی اور تربیتی پروگراموں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً جناب نجیب اللہ خان صاحب ایک ماہر حسابات ہیں انہوں نے الحمدللہ آئندہ زندگی تنظیم کے لئے کھپانے کی آفر کی ہے۔ ان کی صلاحیت کے مطابق ان سے کام لیا جا رہا ہے۔

مرکزی سطح پر دعوتی و تربیتی کام حلقہ جات کے تعاون سے جاری ہے۔ کوشش ہے کہ ہر حلقہ میں دعوتی و تربیتی کام ایک انداز اور سوچ کے مطابق ہو۔

جس علاقے میں تنظیمی دعوت کی کمی ہے یا بالکل نہیں لیکن وہاں کام کیا جا سکتا ہے۔ صرف افرادی قوت یا مدرسین حضرات کی کمی ہے۔ وہاں پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ جس سے عمومی فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ہمارے رفقاء میں حیات نو اور کام کرنے کا داعیہ پروان چڑھتا ہے۔ دعوت و رابطے کے نئے افق کھلتے ہیں۔ ساتھ ہی مقامی و مہمان رفقاء و احباب کی تربیت اس نہج پر ہوتی ہے کہ ان میں علمی' فکری' عملی استحکام پیدا ہو۔ نئے مدرسین تیار ہوں اور شرکاء میں ذاتی رابطے کی اہلیت مستحکم ہو۔

قوت کار بڑھے اور جھجک دور ہو۔ جس میں الحمدللہ خاطر خواہ کامیابی ہو رہی ہے۔ اصلاح و بہتری کا امکان تو ہر وقت موجود رہتا ہے۔ نئے باہمت صاحب استعداد باصلاحیت ساتھیوں کے لئے میدان کار کھلا ہے اور ان کو پکار رہا ہے۔ اس پروگرام کو شروع کرنے سے محسوس ہو رہا ہے کہ یہ دعوت و تربیت کا عمل پورے ولولے' دوام اور یک دلی سے ہو اور اس میں حتی المقدور اضافہ ہو۔ ہر گلی' ہر کوچے و قریہ میں دین حق کا پیغام پہنچایا جائے کہ اسلامی انقلاب کی منزل نصیب ہو۔

کیونکہ دوران رمضان تنظیمی و دعوتی سرگرمیاں ماند پڑ جاتی ہیں اور توجہ دورہ ترجمہ القرآن کی طرف ہو جاتی ہے۔ اس حوالے سے تفریغ اوقات والے ساتھیوں اور موسم اعتکاف کو سامنے رکھتے ہوئے ناظم اعلیٰ اظہر بختیار خلجی صاحب کی تحریک پر معاون ناظم دعوت محمد وصی نے شعبہ تفریغ اوقات کی جانب سے دوران اعتکاف (خود بھی اعتکاف پر آمادہ تھے) جامع مسجد قرآن اکیڈمی 36-K ماڈل ٹاؤن میں یہ پروگرام تشکیل دیا گیا جس میں صوبہ پنجاب اور سرحد کے رفقاء نے شرکت کی جو اعتکاف سے فارغ ہو کر بسہولت عید اپنے اہل و عیال کے ساتھ کر سکتے تھے۔ دیگر حلقہ جات میں بھی اس سال پروگرام کی وجہ سے مقامی طور پر اس قسم کے پروگرام ترتیب دیئے گئے۔ رات تو امیر تنظیم حافظ عاکف سعید صاحب کے ساتھ دورہ ترجمہ القرآن میں گزرتی جبکہ دن میں دعوت و تربیت۔

پروگرام کا آغاز **17** اکتوبر بروز پیر صبح **10:45** پر ہوا۔ حضرات کو اکٹھا کیا گیا اور گروپ بندی کی گئی اور بانی محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا کتابچہ ''نبی اکرمؐ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں'' کا مطالعہ کیا گیا۔ **11:45** پر یہ ختم ہوا اور **15** منٹ کی ریسٹ کے بعد **12:00** بجے علم کی فضیلت و قرآن حکیم کے موضوع پر انجینئر محمد علی صاحب نے بہت ہی پُرعلم خطاب کیا یہ **1:00** بجے ختم ہوا۔ اگلے آٹھ دن بھی اسی ٹائم ٹیبل کے مطابق **2** گھنٹے روزانہ یہ پروگرام ہوتا رہا۔

اگلے دن بروز منگل پہلے جناب انجینئر عبداللہ محمود نے ''راہ نجات'' کے عنوان پر لیکچر دیا جس سے نجات کے راستے کھلتے ہوئے نظر آئے۔ پھر میزبان جناب اشرف وصی نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے بارے میں بیان کیا اور اس کے تین مراحل یا درجات بتائے۔ پہلا برائی کو ہاتھ سے روکو' دوسرا زبان سے کہو' تیسرا دل سے برا جانو۔

19/ اکتوبر بروز بدھ لاہور جنوبی کے امیر جناب غازی وقاص صاحب نے جہاد فی سبیل اللہ کا مذاکرہ کرایا اور اس ضمن میں ہمارے ذہنوں میں جو تضاد تھے' دور کئے۔ جہاد اور قتال میں فرق واضح کیا اور جہاد کو فرض عین ثابت کیا۔ **12:00** بجے انجینئر عبداللہ محمود صاحب نے فرائض دینی کا جامع تصور پیش کیا جس سے بہت سے ساتھیوں کے سامنے نئی باتیں آئیں۔

20/ اکتوبر بروز جمعرات پہلے اشرف وصی صاحب نے منہج انقلاب نبویؐ یعنی نبی اکرمؐ کے طریقے پر انقلاب کو پیش کیا اور پھر ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی جناب اظہر بختیار خلجی صاحب نے اسلام میں اجتماعی زندگی کی اہمیت پر گفتگو کی۔

21/ اکتوبر بروز جمعہ **10:45** سے **11:45** تک جناب اشرف وصی صاحب نے تنظیم اسلامی کی فکر کو پیش کیا اور اس سلسلے میں سوال و جواب کی نشست بھی رکھی۔

22/ اکتوبر بروز ہفتہ پہلے انجینئر محمد علی صاحب نے انقلابی کارکنوں کے اوصاف بیان کئے جس میں بتایا کہ خود اللہ کی بندگی میں زندگی گزارنا اور جو جذبہ انسان کو اجتماعی زندگی میں تبدیلی پر مجبور کرتا ہے۔ وہ انسانی ہمدردی ہے اور پھر وصی صاحب نے اجتماعی مطالعہ کرایا اور سوال و جواب کی مختصر نشست ہوئی۔

23/ اکتوبر بروز اتوار امیر حلقہ لاہور ڈویژن جناب مرزا ایوب بیگ نے اسلام میں نظام عدل اجتماعی کے عنوان پر خطاب کیا اور اس کی برکات و ثمرات کو اجاگر کیا۔ پھر جناب رشید ارشد صاحب نے تزکیہ نفس کے حوالے سے بہت ہی پُراثر خطاب کیا۔

24/ اکتوبر جناب اظہر بختیار خلجی صاحب نے اجتماعیت میں ایثار کی اہمیت کو بہت ہی خوبصورت مثالوں کے ساتھ بیان کیا۔ اس کے بعد وصی صاحب نے منہج انقلاب نبویؐ پر مذاکرہ کرایا اور سوال و جواب بھی ہوئے اور تنظیم کی دعوت بھی دی گئی اور بیعت فارم بھی تقسیم ہوئے۔

آخری دن بھی **25**/ اکتوبر بروز منگل ناظم دعوت جناب رحمت اللہ بٹر صاحب نے ''انسانی مسئولیت کی بنیادیں اور بعثت انبیاء کا مقصد'' پر خطاب کیا۔

اس کے بعد سب ساتھیوں کو وصی صاحب کی قیادت میں اس سارے تربیتی پروگرام کے بارے میں اظہار خیال کا موقع ملا اور تنظیم اسلامی کی فکر سب کو منتقل ہوگئی اور یہ پروگرام اپنے اختتام کو پہنچا۔

الحمدللہ اس پروگرام سے بھرپور استفادہ کیا گیا۔ احباب نے تنظیمی فکر کو نہایت اچھے انداز میں سمجھا جس کے نتیجے میں **22** ساتھی تنظیم میں شامل ہوئے۔ ان میں بعض ساتھی اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اچھے عہدوں پر فائز بھی ہیں۔ ان شاءاللہ یہ رفقاء اپنے اپنے ماحول میں جا کر دین کی فکر کو پھیلانے کا ذریعہ بنیں گے۔ (رفیق تنظیم محمد عابد چوہان' لاہور جنوبی)

فیصل آباد کے رفیق تنظیم کی قابلِ رشک دعوتی سرگرمیاں

فیصل آباد تنظیم ''شرقی'' کے امیر ملک احسان الٰہی صاحب نے انفرادی سطح پر پورا رمضان توسیع دعوت کے لئے مختلف مساجد اور تعلیمی اداروں وغیرہ میں خطابات کئے اور مجموعی طور پر **1525** سامعین تک پیغام پہنچایا۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

نمبر	تاریخ	رمضان	مسجد اور جگہ کا نام	بعد نماز	سامعین
1	2-11-03	6	موتی مسجد گل بہار کالونی	عصر	40
2	3-11-03	7	زینب مسجد گل بہار کالونی	عصر	20
3	4-11-03	8	مسجد گل بہار کالونی	فجر	50
4	6-11-03	10	مسجد اقصیٰ بٹالہ کالونی	ظہر	70
5	7-11-03	11	رہائش آصف ندیم	افطاری	25
6	9-11-03	13	مسجد ابوبکر پاسپورٹ آفس	ظہر	50
7	9-11-03	13	نئے مکان میں	تراویح	5
8	10-11-03	14	کینال کالونی مسجد	فجر	100
9	10-11-03	14	پریس پر	ظہر	20

10	10-11-03	14	مسجد سنہری ٹاؤن	عصر	50
11	11-11-03	15	مسجد P-W-D	فجر	25
12	12-11-03	16	مسجد عثمان فیاض کالونی	ظہر	25
13	12-11-03	16	مسجد پٹرول پمپ	عصر	30
14	13-11-03	17	مسجد اقصیٰ مدینہ ٹاؤن	ظہر	25
15	14-11-03	18	مسجد العزیز (جمعہ)	جمعہ	150
16	15-11-03	19	مسجد بابا زمان فتح آباد	ظہر	25
17	15-11-03	19	ہیرا مسجد	عصر	15
18	15-11-03	19	ٹیپو ہال زرعی یونیورسٹی	ختم القرآن	50
19	16-11-03	20	نمرہ مسجد فیاض کالونی	ظہر	10
20	17-11-03	21	مسجد نجیب اللہ طارق	ظہر	30
21	17-11-03	21	سردار صاحب مسجد تتیانہ روڈ	عصر	20
22	18-11-03	22	مسجد اقصیٰ مدینہ ٹاؤن	فجر	35
23	18-11-03	22	مسجد شریف اہل حدیث	ظہر	30
24	18-11-03	22	مسجد گلزار مدینہ	عصر	50
25	18-11-03	22	قرآن اکیڈمی	عشاء	50
26	19-11-03	23	حاجی والی مسجد ڈھڈی والا	عصر	50
27	21-11-03	25	مسجد اہل سنت تتیانہ روڈ	جمعۃ المبارک	70
28	22-11-03	26	مسجد توحید کہکشاں کالونی	ظہر	15
29	24-11-03	28	مسجد عمر گل بہار کالونی	فجر	150
30	24-11-03	28	مسجد محفوظ پارک	عصر	50
29	24-11-03	28	ختم قرآن، گھر پر لیس	ظہر، عشاء	40
30	25-11-03	29	مسجد اہل حدیث PC	فجر	50
31	25-11-03	29	ڈاکٹر فیض الرحمان اور حبیب الرحمان کے گھر	افطاری	110

گوجر خان میں دورۂ ترجمۃ القرآن کا پروگرام

گزشتہ برس کی طرح اس برس بھی انجمن خدام القرآن گوجر خان نے دورۂ ترجمۂ قرآن کا پروگرام ترتیب دیا۔ پروگرام خدا کے فضل و کرم سے بغیر کسی تعطل کے بخیر و عافیت اپنے اختتام کو پہنچ گیا۔ پروگرام رمضان المبارک کی پہلی شب کو شروع ہوا اور اٹھائیسویں شب کو مکمل ہوا' تاہم ختم قرآن کی محفل انتیسویں شب کو ہوئی۔ ترجمۂ قرآن کی سعادت امیر تنظیم اسلامی گوجر خان جناب مشتاق حسین صاحب نے حاصل کی۔ یہ پروگرام مسجد العابد میں منعقد ہوا جو کہ انجمن خدام القرآن کی تعمیر شدہ ہے۔

دورۂ ترجمۂ قرآن کا پروگرام اس طرح ترتیب دیا گیا تھا کہ عشاء کی نماز کے بعد تقریباً 1 گھنٹہ 15 منٹ تک ترجمہ ہوتا اور پھر آٹھ رکعت نماز تراویح ادا کی جاتی' اس کے بعد تقریباً پون گھنٹہ ترجمہ ہوتا اور چار رکعت نماز تراویح ادا کی جاتی۔ چائے کے وقفے کے بعد آٹھ رکعت نماز تراویح کے لئے ترجمہ ہوتا۔ تاہم بعض دفعہ آخری آٹھ رکعتوں کو چار چار کے حصوں میں بھی تقسیم کیا گیا۔ یوں یہ پروگرام تقریباً ساڑھے چار گھنٹے جاری رہتا۔

پروگرام میں زیادہ سے زیادہ افراد کو شرکت کا موقع فراہم کرنے کے لئے اس دفعہ انجمن خدام القرآن گوجر خان نے اجتماعی اعتکاف کا پروگرام بھی ترتیب دیا' کل 21 افراد نے اعتکاف کی سعادت حاصل کی۔ معتکف افراد کی مزید تربیت کے لئے دن کے وقت بھی کئی پروگرام منعقد کئے گئے۔

ختم قرآن کی محفل میں خصوصی خطاب کے لئے جناب ڈاکٹر عارف رشید صاحب کو دعوت دی گئی' جنہوں نے سامعین کے سامنے ان کی دینی ذمہ داریاں مفصل انداز میں بیان کیں اور افراد کو اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے کی طرف خصوصی توجہ دلائی۔ ختم قرآن کی محفل میں تقریباً 150 سے 200 افراد نے شرکت کی۔

دورہ ترجمۂ قرآن کی آخری نشست میں احباب میں ایک سوالنامہ تقسیم کیا گیا جس میں پروگرام کے مختلف پہلوؤں سے متعلق ان سے سوالات کئے گئے تھے۔ مجموعی طور پر افراد نے اس پروگرام کو بہت پسند کیا اور اس کو جاری رکھنے کی ضرورت پر زور دیا۔ نماز تراویح میں قرآن مجید سننے اور سنانے کی سعادت امام مسجد جناب قاری انیس الرحمٰن اور راقم الحروف نے حاصل کی۔ دورہ ترجمہ قرآن میں اوسطاً 60 سے 70 افراد نے روزانہ شرکت کی۔ (رپورٹ: حافظ ندیم مجید)

ضرورتِ رشتہ

دو بہنیں عمر 38 اور 28 سال۔ ایم اے اسلامیات' دیندار' پابند صوم و صلوٰۃ' امور خانہ داری کا شوق' نرم مزاج' خوش شکل' صاف رنگت' متوسط گھرانہ' تعلق یوپی انڈیا' سنی' شیخ مقیم گلشنِ اقبال کراچی کے لئے ہم پلہ رشتہ درکار ہے۔

رابطہ: سید رضی الدین فون: 0300-2397571

☆ ☆ ☆

21 سالہ دوشیزہ' تعلیم بی اے کے لئے شریف خاندان کا تعلیم یافتہ برسر روزگار رشتہ درکار ہے۔

رابطہ: جناب رشید اختر سلیم فون نمبر 0300-8413646/5187375

دعائے مغفرت

ناظم دفتر حلقہ (سندھ زیریں) محمد نعیم صاحب کے ماموں اور ان کی ہمشیرہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ اللہ مرحومین کی مغفرت فرمائے' برزخ کی زندگی ان پر آسان فرمائے اور آخرت میں انہیں جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین!

☆ ☆ ☆

اسرہ نوشہرہ کینٹ کے ملتزم رفیق ملک آمان کی زوجہ محترمہ طویل علالت کے بعد بقضائے الٰہی وفات پا چکی ہیں۔ رفقاء و احباب سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی دو تصانیف

سابقہ اور موجودہ **مسلمان امتوں کا ماضی حال مستقبل اور مسلمانانِ پاکستان کی خصوصی ذمہ داری** (اشاعت خاص: 45 روپے)	دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی اور مقبول عام دستاویز جس کا انگریزی' عربی' فارسی اور سندھی میں ترجمہ ہو چکا ہے **مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق** اشاعت خاص: 20 روپے/ اشاعت عام: 10 روپے

ملنے کا پتہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن' 36-K ماڈل ٹاؤن لاہور

and at a luncheon hosted by Deputy Chairman of Joint Chiefs of Staff Peter Pace. General Basbug later met with Assistant Secretary of State Richard Armitage and Deputy National Security Advisor Stephen Hadley. On the day of the attacks, Paul Wolfowitz held a mission-completion press conference. General Busbag left Washington after participating in the press conference.

Further analysis of these and other terrorist attacks would help us understand the pattern of terrorism, the motives behind this inhumanity and value of biased analysis presented by co-opted journalists.

Unless we identify the criminals in this dark alliance, we will continue to believe sustainers of the darkness, who want Thomas Friedman to make us believe that the US-led invasions and occupations are part of "the noblest things this country [US] has ever attempted abroad and it is a moral and strategic imperative that we give it our best shot."

Thomas Friedman, "The chant not heard," *New York Times*, November 30, 2003.

Ibid, Thomas Friedman

Gardner, Frank. "Who bombed Bali?" BBC security correspondent, Sunday, October 13, 2002, 17:19 GMT 18:19 UK.

Mason, Harry. See: http://www.cyberspaceorbit.com/Harrymbalx.htm, October 13, 2002

Asia Africa Intelligence News Wire, 20 November 2003.

See Michel Chossudovsky's detailed report and the pre-attack activities at the Turkish stock market at Centre for Research on Globalization web site http://globalresearch.ca/articles/ANA311A.html

کیا آپ جاننا چاہتے ہیں کہ

❁ ازروئے قرآن حکیم ہمارا دین کیا ہے؟

❁ ہماری دینی ذمہ داریاں کون کون سی ہیں؟

❁ نیکی' تقویٰ اور جہاد کی اصل حقیقت کیا ہے؟

تو مرکزی انجمن خدام القرآن کے جاری کردہ مندرجہ ذیل خط و کتابت کورسز سے فائدہ اٹھائیے:

(1) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی کورس

(2) عربی گرامر کورس (I'II'III) (3) ترجمہ قرآن کریم کورس

مزید تفصیلات اور پراسپکٹس (مع جوابی لفافہ) کے لئے رابطہ:

شعبہ خط و کتابت کورسز 'قرآن اکیڈمی' 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور

ہدایات برائے شرکاء تربیتی اجتماع ملتزم رفقاء 25 تا 27 دسمبر 2003ء

بمقام قرآن اکیڈمی' کراچی

1) ریل گاڑی سے آنے والے رفقاء کراچی کینٹ اسٹیشن پر اتریں۔ کینٹ اسٹیشن کے مرکزی دروازے (Main Gate) سے باہر آئیں۔ باہر استقبالیہ کیمپ ہوگا' وہاں رپورٹ کریں۔ یہ کیمپ 25 دسمبر کی صبح سے مغرب تک جاری رہے گا۔

2) سامان کے لئے Tag حاصل کریں۔ اس پر اپنا اور حلقے کا نام لکھ کر اپنے سامان کے ساتھ نتھی کر دیں۔

3) استقبالیہ پر موجود ساتھی قرآن اکیڈمی تک آپ کو پہنچانے کا انتظام کریں گے۔ کسی تاخیر کی صورت میں صبر کا مظاہرہ کریں۔

4) ہوسکتا ہے کہ آپ کا سامان اس گاڑی سے نہ جائے جس میں آپ کو لے جایا جا رہا ہو۔ ایسی صورت میں اپنے سامان کے لئے قرآن اکیڈمی کے استقبالیہ کاؤنٹر سے رجوع کریں۔

5) قرآن اکیڈمی کے استقبالیہ کاؤنٹر پر حلقوں کے رفقاء کی فہرست فراہم کی جائے گی۔ اپنے حلقے کی فہرست میں نیلی روشنائی والے قلم سے اپنے نام کے آگے ☑ نشان لگا دیں۔ بقیہ کام کمپیوٹر کے ذریعے ہوگا۔ اس کے بعد استقبالیہ کے دوسرے کاؤنٹر پر آپ کو بیج مل جائے گا جس پر آپ کی رہائش گاہ کا نمبر درج ہوگا۔ رہائش گاہ تک پہنچنے کے لئے ہدایات مختلف مقامات پر آویزاں ہوں گی۔ کسی دشواری کی صورت میں ہمارے کارکن آپ کی مدد کے لئے موقع پر موجود ہوں گے۔

6) اگر کسی وجہ سے آپ کا نام حلقہ کے رفقاء کی فہرست میں درج نہ ہو تو استقبالیہ پر آپ کو نسبتاً زیادہ وقت لگ سکتا ہے۔ آپ اپنا رجسٹریشن نمبر استقبالیہ والوں کو بتائیں گے تاکہ آپ کو جلد از جلد بیج جاری کیا جا سکے۔

7) جو رفقاء بس/کوچ/ ویگن سے تشریف لا رہے ہوں وہ اڈے پر اتر کر کسی بھی کلفٹن جانے والی بس/کوچ/ ویگن پر سوار ہو جائیں۔ کلفٹن سے قرآن اکیڈمی کے لئے جو seaview اپارٹمنٹس اور درخشاں تھانے کی چوکی کے درمیان خیابانِ راحت پر واقع ہے' گرین بس روٹ نمبر UTS-4' ویگن روٹ نمبرز X-2 یا X-3 پر سوار ہو جائیں۔ سہراب گوٹھ اور پرانی سبزی منڈی سے گرین بس UTS-4 براہ راست دستیاب ہوگی۔ پٹھان کالونی' بنارس چوک پر اترنے والے رفقاء کو کلفٹن کے لئے سفاری کوچ مل جائے گی۔

8) جو رفقاء ہوائی جہاز سے تشریف لا رہے ہیں ان کے لئے لازم ہوگا کہ وہ اپنی آمد کے بارے میں ہمیں زیادہ سے زیادہ 22 دسمبر تک فلائیٹ نمبر اور تاریخ سے آگاہ کر دیں۔ بعد میں اطلاع ملنے پر ہمارے لئے ٹرانسپورٹ مہیا کرنا دشوار ہوگا۔

9) قرآن اکیڈمی تک پہنچنے کے لئے گائیڈ میپ (Guide map) تیار کیا گیا ہے جو آپ کے امیر حلقہ کو فراہم کر دیا جائے گا۔ قرآن اکیڈمی پہنچنے میں کسی دشواری کی صورت میں فون نمبرز 5340022-23 پر رابطہ کریں۔

10) اجتماع کے دنوں میں زیادہ سے زیادہ 28C° اور کم از کم 14C° درجہ حرارت کی توقع ہے اور ہوا میں نمی کا تناسب 63% ہوگا۔ موسم کے مطابق کپڑے اور بستر ساتھ لانے کا اہتمام کریں۔

11) اجتماع میں خواتین کے لئے شرکت کا کوئی انتظام نہیں ہے۔

ناظم اجتماع: محمد نسیم الدین

Vol. 12 Regd. No. LRL-50 No. 46
Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

View Point

Abid Ullah Jan
(E-mail:abidjan@tanzeem.org)

Sustainers of the Darkness

The most interesting aspect of the "enlightened" age is that despite an unprecedented success in telecommunication technology, almost 99.9 percent of the world population is passing through the darkest period of human existence.

It is the darkest of all times because a vast majority is unable to penetrate the smokescreen of lies to identify the real culprits behind the ideology and events that intensify the ongoing world war.

Like the previous world wars, human beings are both the cannon fodder and victims of the ever increasing scale of destruction. The only factor that makes it different from the previous world wars is the range of dedicated actors involved in intensifying darkness and war through repeated lies.

The most horrible reality of this war is that apparently the most humane of the faces — lecturing us on human rights, human dignity, freedom and democracy — are the most active partners of the dark alliance.

The dark alliance is comprised of the military generals, intelligence agents and a legion of local agents on the war front, and a number of political leaders, opinion makers and some seemingly benign journalists at the rear ranks.

November 30 article of Thomas Friedman of the *New York Times* is a glaring example of how some journalists work hand in hand with the perpetrators behind the terrorist attacks and the subsequent military invasions and occupations.

Motive is a prime factor to look at for resolving mysteries of serious crimes. Yet discussion on the issue of motive has been the most convoluted part of all analysis that blames "fundamentalist" Muslims and "misinterpreted" Islam for every act of terrorism. The motive of the alleged terrorists is reduced for the sake of propaganda to: "Terrorists hate our freedom and democracy."

Impartial analysis of the events surrounding terrorist attacks is necessary for identifying the dark faces in pitch darkness, which are responsible for the crimes against humanity. Their interest lies in sustaining the unprecedented darkness of human history.

This is how their latest plan unfolded: Political leadership went for more support on the most controversial trip to UK; the terror department carried out the attacks and the media department came out on the already set stage for telling the people in the dark: "nowhere could I find a single sign in London reading, 'Osama, How Many Innocents Did You Kill Today?' or 'Baathists — Hands Off the U.N. and the Red Cross in Iraq.'"

What a time for Friedman to ridicule anti-war movement and sarcastically state: "there is something morally obtuse about holding an antiwar rally on a day when your own people have been murdered — and not even mentioning it or those who perpetrated it."

It does not need Thomas Friedman and the *New York Times* to fix the blame on Osama or other Muslims for any terrorist acts. This is the easiest feat almost everyone could perform these days. The hardest fact to realize is: Why is Turkey reluctant to blame Al-Qaeda?

Before claiming that terrorism "is growing in the darkest corners of the Muslim world," Friedman would have done a favour to distinguish Turkey from the rest of the Muslim world. Turkey is widely described as the flag bearer of Western values. It, however, did not allow US to use its soil for attack on Iraq, and it has refused to send troops to help US in occupied Iraq.

For these "crimes," Turkey deserved a dose of reality from the dark alliance, and a few words of thanks from Al-Qaeda, if it exists. The attack was intended to: a) give journalist in the dark alliance an opportunity to attack anti-war protestors; b) secure Turkey and others' assistance in inflaming the ongoing world war; and c) pacify public reaction over their government's participation in illegal wars.

Friedman, sitting thousands of miles away, could not be so sure of Muslims' involvement in the attack unless he is either their partner or he has evidence to prove their guilt in a court of law. This becomes impossible when the Turkish Prime Minister, while sitting in Turkey, said that he was not sure that Al-Qaeda is behind the bombing.

Compare it with the same pattern of terrorist attack and its timing. Remember Bali? Before the terrorist attack against Australians, there was a nation wide TV warning by one Rohan Gunaratna, another Friedman and Pipes, the author of *"Inside Al Qaeda"*.

This previously unknown *"expert on terrorism"* issued a specific warning that Al Qaeda members have been trained to attack Australia, stating that he had been given the information during debriefings of captured Al Qaeda members.

Amazing how this author got access to these prisoners — the most tightly held since the Gulag Archipelago — and national TV airtime across Australia. He must have some very interesting connections with the architects of darkness and war.

According to BBC correspondent, the Bali Club had "no strategic value." It didn't "hurt a Western government, and it was not a favored haunt of al-Qaeda's preferred targets: Americans and Jews."

Many Australians believe that the US government is directly behind the Bali bombing to teach Australians a lesson for "a rising anguish at the treatment of the Palestinians by the forces of Israel as directed by Sharon and supported by Bush, and a very widespread and fast setting view against helping in the US plans for a military invasion of Iraq."

The US officials were more concerned with the developments in Turkey and UK than their worries in the case of Australia, where the US Ambassador to Australia was upset with the popular objection of Australian citizens to their government's involvement in the American invasion of Iraq.

The US Ambassador to Australia could clearly warn the Australians before the Bali bombing that they are not immune to terrorist actions. However, in the case of attacks on UK interests in Turkey, there was considerable movement and interaction between top US and Turkish officials, who did not break their silence before the event.

The attacks took place one day following the completion of the annual Turkish-US Joint Defence Group meeting (November 17-19, 2003) for discussion issues pertaining inter alia to the "war on terrorism."

The Turkish delegation to this meeting was led by Deputy Chief of General Staff Gen Ilker Basbug, who met his US counterpart US Deputy Chief of General Staff Gen Peter Pace.

Basbug met in two separate meetings with one of the chief architects of the unfolding world war, Paul Wolfowitz, at the Pentagon